Postal Regd. No.LW/NP/63/2006to2008
R. N. I. No. UP. Urd/2001/6071

Fortnightly

Vol. No. 44 Issue No. 14

Tameer-e-Hayat

Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07

Ph. Off: 0522-2740406
Fax: 0522- 2741834 - 2741231
E-mail: nadwa@sancharnet.in

25 May. 2007

Admission Open - Hurry up

AL-HUDA MODEL SCHOOL

Triveni Nagar III, Sitapur Road, Lucknow

(Affiliated with I. C. S. E. Council, Delhi)

XI Classes Starting From next Session

CHOOSE ONLY AL-HUDA MODEL SCHOOL BECAUSE:

1. It is a centre for the flourish of your culture.
2. Along with English Medium, Urdu, Quran Sharif, Islamic theology are also taught.
3. Qualified, Nursery trained and convent educated teachers are imparting education and knowledge.
4. Conversation in English compulsory, Clubs of English Speeches and Debates, G. K. and Islamic Quiz for training the students.
5. Arrangement of competition and Prize distribution in the last Working day of every month.
6. School Buses, Tempos and Rickshaws for the conveyance.
7. For games, sports and healthy atmosphere spacious fields and ground.
8. Education of computer starts from class III.
9. Separate classes for boy and girl students.
10. If the aforesaid points impress you, come for admission. You will always be satisfied.

Registation Open

For All Communities

Branch at Lucnow

1. Triveni Nagr-III Sitapur Road (Main Branch) Nursery to Class X (Phone : 2756419)
2. Nanpara House, Near P. K. Bhawan Nursery to Class V (Phone : 2207578)
3. Aminabad Near Qabr Mamu Bhanja Nursery to Class V (Phone : 2284741)
4. Mehdiganj, Near Haiderganj Crossing Nursery to Class V (Phone : 2262344)

Editer: *Shamsul Haq Nadwi* Office. Ph: 2740406 Printed & Published by *Athar Husain*
On behalf Majlis-e-Sahafat-wa-Nashriyat at Azad Printing Press Mahboob Building Nazirabad, Lko. Ph:0522-2614685

DESIGNED BY HAMID, DALIGANJ LUCKNOW. Mobile: 9415769282

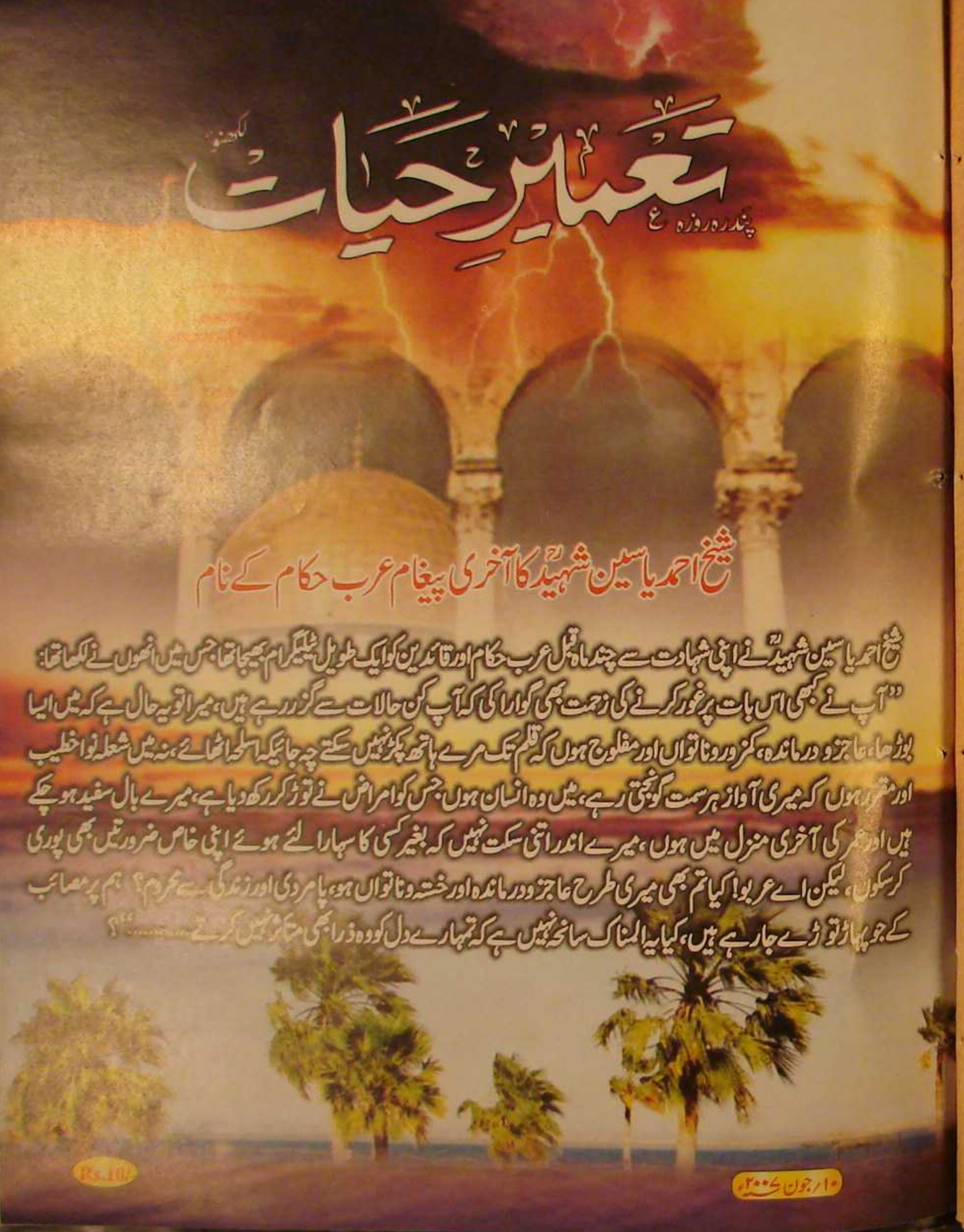

پندرہ روزہ

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

جلد نمبر ۴۴ — شمارہ نمبر ۱۵

۱۰ر جون ۲۰۰۷ء مطابق ۲۳ر جمادی الاول ۱۴۲۸ھ

زیر سرپرستی

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

پروفیسر وصی احمد صدیقی

(معتمد مال ندوۃ العلماء لکھنؤ)

زیر نگرانی

مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی

(ناظر عام ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر عام	مدیر مسئول
مولانا شمس الحق ندوی	مولانا نذر الحفیظ ندوی

نائب مدیر

محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت

● مولانا عبداللہ حسنی ندوی ● مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری

● امین الدین شجاع الدین

سالانہ زرتعاون ۲۰۰/ ——— فی شمارہ ۱۰/

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک کے لئے ۴۰/ ڈالر

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں، چیک سے بھیجی جانے والی رقم قابل قبول نہ ہوگی۔ اس میں ادارہ کا نقصان ہوتا ہے۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

Tameer-e-Hayat

P.O.Box No.93 Tagormarg, Badshah Bagh, Lucknow-7

E-mail: nadwa@sancharnet.in Ph: (0522) 2740406

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

آپ کے خریداری نمبر کے نیچے لال کلیر ہے تو سمجھئے کہ آپ کا زرتعاون ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، اگر موبائل یا فون نمبر ہو تو اپنے شہر کے کوڈ نمبر کے ساتھ لکھئے۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

Computer Tameer Hayat (Hashmat Ali)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِس شمارے میں

ایڈیٹر کی میز سے

چند باتیں..... — نذر الحفیظ ندوی — ۲

اداریہ

باہمی اتحاد و اتفاق عالم اسلام کی..... — حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی — ۳

کتاب الٰہی

تلاوت کے آداب — پروفیسر عطیہ خلیل عرب — ۵

فکر انگیز

تصویر کا ایک رخ اور بھی ہے — مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی — ۷

وحی اور سائنس

ڈارون کا نظریہ ارتقاء — بلال عبدالحی حسنی ندوی — ۹

ایک مطالعہ

گلدستۂ علم و نظر — پروفیسر وصی احمد صدیقی — ۱۰

شعر و ادب

نعت — ڈاکٹر طفیل احمد مدنی — ۱۲

گوشۂ فلسطین

۱۔ المیہ فلسطین سے تین سبق — حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ — ۱۳

۲۔ یہودیوں کی خونخواری — عبداللہ الکل / سید سلمان حسینی ندوی — ۱۵

۳۔ شیخ احمد یٰسین کی شہادت — نذر الحفیظ ندوی — ۱۷

۴۔ مملکت اسرائیل کیسے قائم ہوئی؟ — سلمان نسیم ندوی — ۲۱

۵۔ صہیونی جارحیت..... — سید حمید احمد ندوی — ۲۵

☆☆☆☆☆

رپورٹ

بلیا اور اس کے نواح میں دو دن — محمود حسن حسنی ندوی — ۲۶

روداد

فلسطین بیداری مہم پروگرام — محمد جاوید اختر ندوی — ۲۹

سنسار لائٹ ایل ای ڈی ٹارچ

جدید تکنیک کا کمال
اندھیرے میں قابل اعتماد ساتھی

خصوصیات

- عام ٹارچ سے ۸۰ گنا تک بیٹری چلے
- ایل ای ڈی ایک لاکھ گھنٹوں تک چلے
- تیز روشنی - عمدہ فوکس - پائیدار
- سیدھا رکھیں یا ڈوری سے لٹکائیں
- مضبوط اے. بی. ایس. باڈی اعلیٰ پرزوں کے ساتھ
- استعمال کا خرچ موم بتی سے بھی کم

مارکیٹ ذریعہ

سنسار لائٹ کمپنی

باغ گونگے نواب، امین آباد، لکھنؤ

Mktd. by :
SANSAR LIGHT Co., INDIA
E-mail : sansarlightco@rediffmail.com

Ph.: 2627645, 3910907, 9335901987

اداریہ

چند باتیں.....

فلسطین کے المیہ پر ساٹھ سال کی مدت گزر رہی ہے اس پورے عرصہ میں عالم اسلام عام طور پر اور عالم عربی، خاص طور پر فلسطین کے لوگ جن مصائب وحوادث سے دوچار ہوئے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔

استعماری طاقتوں نے عالم عربی کے قلب میں یہودیوں کے وجود کی شکل میں ایک ایسا خنجر داخل کردیا ہے جو پوری امت کو تڑپا رہا ہے اور مصائب اور آزمائشوں کا وہ تسلسل ہے جن کی وجہ سے پوری امت مسلمہ بے چین ہے۔

قضیہ فلسطین کے ظاہری پہلوؤں کے جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ ساٹھ سال تک فلسطینیوں کے خلاف مال ودولت سے لے کر مہلک ترین ہتھیاروں، یہاں تک کہ اخلاقی اعتبار سے بھی ان کو تباہ وبرباد کرنے کی کوششیں کی گئیں، اس کے لیے وہ سارے وسائل اختیار کئے گئے جو ظالم اور سفاک قومیں اختیار کیا کرتی ہیں، اس طویل عرصہ میں بارہا اسرائیلی حکومت نے بے گناہ فلسطینیوں کا قتل عام کیا پھر جب اس میں انہیں ناکامی ہوئی تو سیاسی مکر وفریب سے کام لے کر فلسطینیوں کو آپس میں تقسیم کرنے اور باہمی خانہ جنگی میں مبتلا کرنے کا تجربہ کیا گیا لیکن اس میں بری طرح استعماری طاقتوں کو ناکامی ہوئی، مصر واسرائیل اور اردن کے درمیان سیاسی وسفارتی اور تجارتی تعلقات قائم کئے گئے، یہاں تک کہ قضیہ فلسطین کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے مقصد سے عالم عربی کے نصاب اور نظام تعلیم کو ہی تبدیل کرنے آخر میں عراق پر قبضہ کرکے پورے عالم عربی کو مٹانے کی بھرپور کوشش کی گئی، لیکن یہ ساری مذموم کوششیں ناکامی سے دوچار ہوئیں، اس کے برعکس فلسطینی مسلمانوں کے اندر اپنے دین ومذہب سے تعلق اور اپنا اخلاقی وجود کو ثابت کرنے کا جذبہ شدید ترین آزمائش کی گھڑی میں بھی بڑھتا اور ترقی کرتا رہا، اللہ کے مخلص بندے اپنی جدوجہد سے کبھی مایوس نہیں ہوئے اور نہ اس دین کے ساتھ فتح ونصرت کا جو وعدہ ہے ان وعدوں پر ان کا ایمان ویقین کمزور ہوا، بلکہ مصائب کی شدت اور آفات کے تسلسل نے ان کے ایمان ویقین میں اضافہ ہی کیا، آخر کار یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ باطل کتنے ہی طاقتور اور مسلح ہو ساری دنیا اس کے ساتھ ہو جائے جب بھی حق ہی کو غلبہ حاصل ہوتا ہے اور کامیابی سے وہ ہمکنار ہوتا ہے۔

ظاہری نگاہوں سے ہمیں یہ دکھائی دیتا ہے کہ یہودی فلسطینی مسلمانوں کا جسمانی وجود ختم کرنے کی ساری تدبیریں کررہے ہیں لیکن فلسطینیوں کی تعداد غیر معمولی سرعت سے بڑھ رہی ہے، دنیا کی تمام قوموں میں اضافہ کا جو تناسب ہے ان میں سب سے زیادہ فلسطینیوں کے اندر نمو اور ترقی کی صلاحیت پائی جاتی ہے، اس کے بالمقابل سب سے زیادہ تعداد یہودیوں کی گھٹ رہی ہے اور یہودی دانشوروں کو یہ مسئلہ پریشان کررہا ہے کہ سن ۲۰۵۰ء تک ان کی تعداد اتنی گھٹ جائے گی جو قابل تشویش ہوگی، اسی کے ساتھ اسرائیل میں بسنے والے یہودیوں کے اندر اعصابی امراض، نفسیاتی خوف، ذہنی اضطراب کے ساتھ ساتھ اخلاقی امراض کی کثرت نے بھی ان کو اندر سے مضطرب وبے چین بنا دیا ہے، پورا ملک خوف کی نفسیات میں مبتلا ہے۔

اس کے بالکل برعکس فلسطینیوں کے اندر خود اعتمادی بڑھ گئی ہے، جیسے جیسے ان کا دینی جذبہ ترقی کررہا ہے ان کے موقف میں قوت واستحکام پیدا ہو رہا ہے اور شوق شہادت کی تو بنیادی خصوصیت یہی ہے کہ اس سے مال غنیمت کے حصول اور کشور کشائی کا کوئی جذبہ پیدا نہیں ہوتا، اس جذبہ کے اندر اتنی طاقت ہے کہ صرف اسرائیل ہی نہیں تمام استعماری طاقتیں مومن کے ٹھوکروں سے دوٹکڑے ہو رہی ہیں اور یہ چیز جنون کی حد تک پہونچ گئی ہے۔

تعمیر حیات کے اس شمارہ میں قضیہ فلسطین پر کچھ خصوصی مضامین پیش کئے جارہے ہیں۔

۱۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے المیہ فلسطین سے متعلق جو بنیادی اسباب ہمارے سامنے رکھے تھے وہ ایک چشم کشا اور ابدی حقیقت ہے، مولانا نے قرآن مجید اور تاریخ کی روشنی میں اس مسئلہ کا تجزیہ اور بنیادی حل پیش کیا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ آخری کامیابی ان ہی لوگوں کی ہوگی جو دین اسلام کے حلقہ بگوش ہوں گے، نہ کہ منفی اور شر وفساد پوری دنیا میں پھیلانے والی قوم کی ہوگی، حضرت مولانا فرماتے تھے کہ یہودی قوم نسل پرست قوم ہے، جب کہ امت مسلمہ ایک ابدی پیغام کی حامل قوم ہے، اس لیے عربوں کو چاہئے کہ وہ دین کا پیغام یہودیوں تک خاص طور سے پہونچائیں اور مکمل مثالی مسلمان کا نمونہ بن کر رہیں کہ یہی مسئلہ کا آخری اور دیرپا حل ہے۔

۲۔ عالم عربی کے مشہور داعی اور مصنف عبداللہ العثمل کے قلم سے یہودیوں کی سفاکی اور انسانیت دشمنی کے بارے میں جو تحریر پوری دنیا میں پڑھی گئی اس کے ایک حصہ کا اردو ترجمہ پیش کیا جارہا ہے تاکہ ہم اپنے دشمنوں کے مقاصد اور ارادوں سے واقف رہیں۔

۳۔ فلسطینیوں کی نئی نسل کے معمار اور قضیہ فلسطین کے علمبردار شیخ احمد یاسین کی شخصیت کا ایک تعارف جو ان ہی صفحات میں شائع ہو چکا تھا پیش کیا جارہا ہے۔

۴۔ ایک جائزہ اسرائیل کی غاصبانہ حکومت کا قیام۔ کے بارے میں پیش کیا جارہا ہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے کیمپس میں قضیہ فلسطین پر منعقد ہونے والے ایک جلسہ کی رپورٹ بھی ہے امید ہے قضیہ فلسطین کے بارے میں بنیادی معلومات ان لوگوں تک پہونچ جائیں گی جنہوں نے اب تک اس موضوع سے دلچسپی نہیں لی ہے یا ان کی معلومات مکمل نہیں ہیں، ان مضامین کا ایک بنیادی مقصد یہ بھی ہے کہ ہندوستانی مسلمان عالم اسلام اور مسلم امت کے حالات سے باخبر رہیں اور ان کے وجود کو جو خطرات لاحق ہیں ان سے بچیں اور امت دعوت کی حیثیت سے تعمیر انسانیت کے میدان میں سرگرم عمل رہیں۔

اداریہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے قلم سے ہے جو قضیہ فلسطین ہی نہیں عالم اسلام کے مسائل ومشکلات کے بارے میں سند کا درجہ رکھتا ہے۔ ولا ینبئک مثل خبیر۔

اداریہ

باہمی اتحاد واتفاق عالم اسلام کی ایک بڑی ضرورت

از.....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

مسلمانوں کو اس بات پر شکر کرنا چاہیے اور قدر ہونا چاہیے کہ وہ باہم محبت وتعاون کے سلسلہ میں دوسری تمام قوموں کے مقابلہ میں امتیازی شان رکھتے ہیں اور کوشش کرنا چاہیے کہ انکی یہ صفت ان میں پوری طرح عمل پیرا ہو، اللہ تعالی نے ان کو جس اخوت وبھائی چارہ کا حکم دیا ہے اس کا یہ تقاضا ہے کہ وہ اپنے ہر اجتماعی معاملہ میں متحد اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جایا کریں، خواہ ان کے افراد ایک دوسرے سے فاصلہ پر اور دور دراز علاقوں ہی میں کیوں نہ رہتے ہوں، مسلمانوں کی اپنی اس خصوصیت پر کچھ نہ کچھ عمل کرنے کا ہی نتیجہ ہے کہ چاہے مشرق کے کسی حصہ میں کوئی حادثہ ہو یا مغرب میں، عالم اسلام کے کونے کونے سے اس کے سلسلہ میں آواز سنی جاسکتی ہے اور ساری دنیا کے مسلمانوں کے دلوں پر اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے اور وہ صرف اپنے تاثر کا اظہار کرکے ہی خاموش نہیں ہوجاتے بلکہ جس حد تک ان سے ہو پاتا ہے۔ تعاون وہمدردی اور محبت وغمخواری کا رویہ برتتے ہیں، اس وقت حضور ﷺ کا یہ ارشاد نظر آنے والی حقیقت بن جاتا ہے کہ ”مسلمان آپس میں ایک عمارت کی طرح ہیں جسکی اینٹ ایک دوسرے کو مضبوطی عطا کرتی ہے اور وہ ایک جسم کے مانند ہیں کہ اس کے کسی حصہ میں کوئی تکلیف ہوتی ہے تو پورا بدن اس کا اثر محسوس کرتا ہے،“ لیکن مسلمان اس جذبہ کو عمل میں لانے میں غفلت سے کام لینے لگے ہیں، ماضی میں بھی انہوں نے اس میں کمی کی تھی، اگر ان سے یہ غفلت نہ ہوئی ہوتی تو اندلس میں جو کچھ پیش آیا وہ نہ ہوتا، جبکہ اس وقت ان کے دیگر ملکوں میں ان کی حکمرانی تھی اور دنیا کے کئی حصوں میں ان کا جاہ وجلال اور شان وشکوہ تھا۔

دنیائے اسلام کے مختلف علاقوں میں مسلمانوں کی حالت ان کے دور غلامی سے بھی بہتر نہیں ہے، دشمنان اسلام آج بھی اپنی فکری اور ثقافتی یلغار کے ذریعہ مسلمانوں کو نشانہ بنائے ہوئے ہیں اور وہ مسلمانوں کے ملی تشخص اور انکی شناخت کو مٹانے پر تلے ہوئے ہیں، معاندین اسلام مسلمانوں سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ ثقافت وادب اور مذہبی اقدار میں اسلامی زندگی سے منہ موڑ لیں اور اپنے علاقوں کو غیروں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیں، وہ اگر اس تبدیلی کیلئے تیار نہیں تو ان کو سختی اور زور دستی کا مقابلہ کرنا پڑیگا اور انکار کی قیمت ظلم وتشدد کو برداشت کرنے کی صورت میں دینی ہوگی۔

دشمنوں کی یہ کوشش سامراجی اقتدار کے وقت ہی سے چل رہی ہے، لیکن یہ محض اسلام کا اعجاز ہے جو ایک عالمگیر اور پائدار مذہب ہے کہ ہر طوفان وحادثہ کے سامنے اسلامی جذبہ پہاڑ کی طرح ان کے دلوں میں پائدار ثابت ہوا ہے اور انہوں نے ہر مصیبت کے وقت صبر سے کام لیا اور خدا ہی سے لو لگائی، اور جونہی ظلم کے بادل چھٹے اسلامی روح جلوہ گر ہوگئی جیسا کہ سوویت یونین کی مسلم ریاستوں میں ایک طویل ظالمانہ وجابرانہ سلسلہ کے باوجود اسلامی روح آشکارہ ہو کر رہی، مسلمان ہمیشہ قابل قدر حد تک اپنے مذہب کیلئے مخلص، اس پر قائم رہنے والے اور اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کے احکام کے سامنے سر جھکا دینے والے رہے ہیں، اور ہمیشہ ہی انہوں نے یہ ثابت قدمی اور مذہب سے وابستگی کا ثبوت دیا ہے، خواہ وہ بہت نمایاں طریقہ سے یہ نہ کرسکیں ہوں، لیکن جب بھی ناسازگار صورت حال پیش آئی مسلمانوں نے اپنے حوصلہ وہمت کا اظہار کیا، انکی تازہ مثال بوسنیا، چیچنیا اور کوسوو میں سامنے آئی، دشمنوں کے سامنے انہوں نے اپنی عزیمت کو ثابت کیا اور دوسرے ملکوں کے ان کے ہم مذہب لوگوں نے ان کے ساتھ قابل تعریف ہمدردی کی ان کے دکھ درد کو محسوس کیا اور جس حد تک ہوسکا انکی مالی امداد کی، اس اخوت کے جذبہ نے ان کو کمک پہونچائی اور انکے عزم وحوصلہ کو مہمیز دی جس سے انکے حوصلے بلند ہوتے گئے اور اسطرح اپنے کارناموں کے ذریعہ وہ اسلام اور مسلمانوں کیلئے ایک ڈھال ثابت ہوئے۔

ہم کو صاف طریقہ سے یہ نظر آتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جن لوگوں کو مادی وسائل سے نوازا ہے وہ دعوت کے جذبہ کی خاطر ان سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں اور یورپی ملکوں سے اسلام مخالف کوششوں کا مقابلہ کرتے ہیں اور افریقہ وایشیا میں اپنے نادار مسلمان بھائیوں کے فقر وجہالت کو دور کرنے اور سامراجی استبداد کو ختم کرنے کی سعی کرتے ہیں، چنانچہ اسلامی بیداری کو فروغ دینے میں ان سرگرمیوں کا بڑا اہم کردار ہے۔

مسلمانوں نے اپنی اس ذمہ داری کو بڑی حد تک انجام دیا اور اسطرح دنیا میں پھیلی ہوئی امت مسلمہ متحد ہوئی، اسی کے ساتھ سارے جہاں کے مسلمانوں کے مسائل ومشکلات کو حل کرنے میں بھی اس سے مدد ملی، الحمدللہ فلسطین، افغانستان، ارٹیریا، صومالیہ، فلپائن وغیرہ میں مسلمانوں کا اتحاد وجذبۂ اخوت ان کے لئے طاقت وقوت کی فراہمی اور مسائل ومشکلات کے سامنے سینہ سپر ہونے کا سبب بنا۔

اسی اخوت اسلامی کے جذبہ کی بنا پر تعاون وامداد دینے میں عرب اور خاص طور پر خلیج کے مسلمانوں کا بڑا حصہ رہا ہے، انہوں نے اپنی ساری ذمہ داری کو بڑی خوبی کے ساتھ نبھایا اور اس کے ذریعہ انہوں نے ایک بہترین مثال پیش کی، ان کے اس تعاون کے ذریعہ بہت سے مظلوم مسلمانوں نے اپنے حقوق کی بازیابی اور اپنے تشخص کی حفاظت کا سامان بہم پہونچایا خاص کر اس وقت جب دشمن پوری طاقت وقوت کے ساتھ سرگرم تھا۔

اسلامی تقاضوں کو محسوس کرنے کے یہ اثرات مسلمانوں کے اندر جگہ جگہ دیکھے جاسکتے ہیں خاص طور پر ان کے ایمان وعزیمت کے حامل نوجوانوں اور تعلیم یافتہ طبقہ کے اندر جو اپنے تمام امور کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف رخ کرتے ہیں اور اسی سے ہدایت ورہنمائی طلب کرتے ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کو اپنے لیے اصل اسوہ سمجھتے ہیں اور اسی کے نور سے روشنی حاصل کرتے ہیں اسی طرح وہ فکر اسلامی کی حامل عظیم ہستیوں کی زندگیوں سے بھی رشد وہدایت کی روشنی حاصل کرتے ہیں اور اپنے اسلامی جذبہ کو فروغ دینے اور دینی غذا کو حاصل کرنے کے لیے ان سے کسب فیض کرتے ہیں، دوسری طرف مغرب کا مسلط کردہ فکری انحراف بھی ان پر اثر انداز ہونا چاہتا ہے جسے مغرب کی اسلام دشمن طاقتیں کمزور ایمان رکھنے والے غافل مسلمانوں کے ذریعہ مسلمان تعلیم یافتہ نوجوانوں کے اندر پیوست کرنا چاہتی ہیں، وہ اسلام کی پاک شہرت اور اس کے تشخص کو مٹا دینا چاہتی ہیں اس کے اثر سے بھی تعلیم یافتہ مسلمان نوجوانوں کے دلوں میں اس کا ردعمل پایا جاتا ہے جو مسلمانوں کے درمیان اسلامی بیداری کی راہ ہموار کرتا ہے۔ اور مسلمانوں کا باہم اتحاد واتفاق بڑھ جائے تو یہ عالم اسلام میں بڑی تبدیلی اور خیر وفلاح کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتا ہے اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے کہ بہت سے مسلمان بعض سامراجی اور ظالمانہ اقتدار کی وجہ سے سخت زبوں حالی کے شکار ہیں اور ان کے دشمن ان کی جانوں کو نہیں بلکہ ان کی مذہبی روح کو ہدف بنا رہے ہیں یہ ان ملکوں میں اسلامی تشخص کو ختم کردینا چاہتے ہیں، یہ ایک بڑا خطرہ ہے جس کا مقابلہ کرنا اشد ضروری ہے۔ مسلمانوں کیسامنے اس کے مقابلے کے لیے دو محاذ ہیں، ایک ادبی اور علمی وسائل کے ذریعہ دینی انحراف اور فکری بے راہ روی کا مقابلہ کرنا۔ دوسرے مسلمانوں کے اندر ان کی ایمانی اور فکر اسلامی کی اقدار کو راسخ کرنے کی کوشش کرنا۔ اس طرح اسلامی فکر وتہذیب کے ورثہ وتاریخ پر مسلمانوں کے اندر فخر واعتماد پیدا کرنا ہوگا تاکہ اس طرح تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لیے اسلامی وابستگی کو فروغ دیا جاسکے اور دشمنوں کی جانب سے ادبی اور فکری یلغار کا مقابلہ کیا جاسکے۔

حالات حاضرہ کو دیکھتے ہوئے یہ بات صاف محسوس ہوتی ہے کہ اسلامی دفاعی طاقت دشمن کے مقابلہ میں بہت کم ہے لہذا جب تک تمام اسلامی طاقتیں متحد وہم آہنگ نہ ہوں گی اس وقت تک مسلمان اپنے خلاف خطرات ومشکلات پر صحیح طور پر قابو نہ پاسکیں گے، اس لیے ضروری ہے کہ وہ ایک ہوجائیں۔

ایک ہوجائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبیں
ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا بات بنے

☆☆☆☆☆

کتاب الٰہی

آخری قسط

تلاوت کے آداب

قرآن کریم اور سنت نبوی کی روشنی میں

از ..... پروفیسر عطیہ خلیل عرب

قرآن کریم کا اعجاز

انسان کے دل پر قرآن کا جو اثر ہوتا ہے اس کیفیت کو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے، حق تو یہ ہے کہ کلام ربانی کی ساحرانہ تاثیر یا مسحور کن کرشمہ لفظ وبیاں کا محتاج ہے بھی نہیں، یہ ایک باطنی جذبہ ایسا ہے جس میں اگر دل وروح ساتھ ساتھ انوالو ہوتے ہوں تو کس قلم یا زبان میں اظہار کی طاقت ہوگی اور کوئی دوسرا کیونکر اس کیفیت کو محسوس کرسکتا ہے، ہاں اندازہ کرسکتا ہے، اور لطف یہ کہ مسلم ہو یا کافر جو بھی سنے گا اگر اس کا دل پتھر نہ ہوا ہو تو وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

یہی وجہ تھی کہ دعوت اسلام کے آغاز ہی میں مشرکین مکہ کے لیے یہ بڑی تشویش لاحق ہوگئی تھی اور وہ ڈرتے تھے کہ ان کی خواتین اور بچوں نے اگر سن لیا تو وہ اس کلام ربانی سے متاثر ہوکر محمد ﷺ کی رسالت اور کتاب الٰہی پر ایمان لے آئیں گے۔ جیسا کہ سورہ فصلت (۲۶) میں ارشاد ہوا: اور کفار مکہ کہتے اس قرآن کو ہرگز نہ سنو بلکہ ایسی گھٹیا حرکتیں کرو، آوازیں نکالو کہ قرآن سنا نہ جاسکے، شاید تم غالب آجاؤ۔

مشرکین مکہ میں ان کے معتبر شخص ولید بن مغیرہ کا مشہور واقعہ ہے کہ مشرکین نے تو اس کو اپنی نمائندگی کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا لیکن جوں ہی اس نے محمد ﷺ کی زبان مبارک سے سورۂ النحل کی آیت نمبر ۹۰ سنی وہ تو مسحور ہوکر رہ گیا۔ صورت حال یہ تھی کہ وہ اپنے دونوں ہاتھ پیچھے زمین پر ٹیک کر اور اپنا رخ محمد ﷺ کی طرف کرکے بیٹھا ہوا تھا، وہ آیات کریمہ یہ تھیں، ﴿ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھا عن الفحشاء والمنکر والبغی، یعظکم لعلکم تذکرون﴾۔

ولید بن مغیرہ بے ساختہ پکار اٹھا: پڑھو، پھر پڑھو، پھر بولا: اللہ کی قسم، اس کلام میں بڑی مٹھاس ہے، شیرینی ہے، غضب کی کشش ہے، حسن ہے، جادو ہے، اس کے نشیب میں میٹھے پانی کا چشمہ اور بلندی پر پھل ہی پھل ہیں، یہ کلام کسی بشر کا نہیں ہوسکتا۔

اس کے علاوہ جن بھی قرآن کریم سن کر ایمان لائے جیسا کہ سورہ ''جن'' میں ہے: ہم نے عجیب قرآن کریم سنا، جو بھلائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے تو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم ہرگز اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے (سورۂ جن ۱۔۲)

فلوریڈا امریکہ کے ایک بہت بڑے ہسپتال میں ڈاکٹر احمد قاضی کے ساتھ مسلمان ڈاکٹروں کی ایک بڑی جماعت نے قرآن کریم سنانے کا تجربہ کیا اور قرآن مجید کا یہ اعجاز دیکھا کہ ہر قسم کے مریضوں کو قرآنی کیسٹ سنائے جانے سے صحت اور سکون حاصل کرنے میں مدد ملی، ان مریضوں میں ہر رنگ ونسل اور ہر مذہب وملت کے لوگ تھے بلکہ عرب غیر عرب، مسلم غیر مسلم، سب شامل تھے (بحوالہ ڈاکٹر قرضاوی)

یہ اس بات کی دلیل اور ثبوت ہے کہ کلام اللہ میں کوئی ایسا راز ضرور ہے جو کسی اور زبان کی کتاب یا کسی اور بشر کی بات میں نہیں خواہ وہ نثر ہو یا شاعری کا کوئی بھی انداز ہو۔

ترتیل کیوں ضروری ہے؟

دراصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت اور عام کتابیں پڑھنے میں بڑا فرق ہے، اس لیے کہ یہ کلام ربانی ہے تو اس کے ظاہری اور باطنی آداب ہیں ظاہری ادب یہ ہے کہ رک رک کر پورے وقار اور سکون وتواضع کے ساتھ تلاوت کی جائے۔ اسی کے ساتھ ساتھ حروف کے مخارج اور اعراب کا خاص خیال رکھا جائے، امام سیوطی کا قول ہے کہ قرآن کریم پڑھتے ہوئے ترتیل کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے ﴿ورتل القرآن ترتیلا﴾ لہذا قرآن کریم کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا ضروری ہے۔

امام زرکشی نے بھی البرہان میں اسی پر زور دیا ہے کہ ہر قاری کو قرآن پاک ترتیل سے پڑھنا چاہئے، بیشتر راویان حدیث کا قول ہے کہ حضرت ام سلمہ نے ان کو حضور ﷺ کی تلاوت کے انداز کی تفصیل بتائی اور بے حد تعریف کرتے ہوئے بیان کی۔

حضرت انس بن مالکؓ سے حضور ﷺ کی تلاوت قرآن کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے صرف بسم اللہ کا انداز یوں بتایا (اسم جل وعلاشأنہ (اللہ) کو مد کے ساتھ پھر رحمٰن کا میم مد کے ساتھ پھر رحیم کی ی کھینچ کر پڑھی۔ اور یہی امام بخاری نے فضائل قرآن میں باب مد القراءۃ میں لکھا ہے۔

بعض ائمہ کا خیال ہے کہ ترتیل کا ثواب بہت عظیم اور بہت زیادہ اس لیے ہے کہ قرآن مجید کے ہر حرف کی جزاء دس نیکیاں ہوتی ہیں، امام غزالی کی رائے میں اہل عجم کے لیے ترتیل پسندیدہ ہے کہ یہ انداز قرآن مجید کی شان وعظمت واحترام کا جلد بازی کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کے مقابلے میں قاری کے دل پر زیادہ اثر کرے گا۔

خوش الحانی یعنی اچھی آواز میں تلاوت

متفقہ طور پر یہ بات طے ہے کہ خوب سے خوب تر آواز میں تلاوت کی جائے اس لیے قرآن پاک بلاشبہ

اپنا منفرد حسن رکھتا ہے، بلکہ انتہائی حسین کلام ہے اور اچھی اور خوبصورت آواز پڑھنے اور سننے والے پر زیادہ اثر کرے گی اور دلوں میں کشش پیدا ہوگی جو احساسات کو ہلا کر رکھ دے گی۔ آواز کے اتار چڑھاؤ میں افراط وتفریط مناسب نہیں بلکہ کلام الٰہی کے جمال اور وقار کا تقاضا یہی ہے کہ معتدل انداز اختیار کیا جائے، حدیث ابن حبان کے مطابق: "زینوا القرآن باصواتکم" اپنی اچھی آواز سے قرآن کو آراستہ کرو اس لیے کہ اچھی آواز قرآن کے حسن میں اضافہ کرے گی، ایک قول یہ بھی ہے کہ اچھی آواز قرآن کی زینت ہے اور قرآن حکیم بجائے خود زبان وحی کا جمال وکمال رکھتا ہے۔

امام سیوطی نے حدیث کا حوالہ دیا کہ (تم قرآن اہل عرب کے لحن وصوت میں پڑھو، اگر کوئی حسن صوت نہیں رکھتا تو وہ زبردستی کوشش نہ کرے، امام نووی کا بیان ہے کہ اچھی آواز میں پڑھنے والوں کے حق میں بہتر ہے کہ لحن وصوت کے ساتھ قراءت کو توجہ، احترام اور کلام اللہ کے اجلال کے ساتھ کان لگا کر سنا بھی جائے، قرآن کریم کی تلاوت یا قراءت مل جل کر جماعت کی صورت میں بھی کی جاسکتی ہے کہ کوئی ایک حصہ پڑھے اور دوسرا حصہ کوئی اور اس طرح کسی قسم کی بھی سہواً غلطی کی اصلاح بھی ممکن ہوگی۔

ہمارے خیال میں قرآن کریم کو خوبصورت آواز میں صرف پڑھنا کافی نہیں بلکہ سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل کرنا لازم ہے اس کے لیے بھی بہترین نمونہ محمد ﷺ کا ہی طریقہ ہے، عبداللہ بن شخیر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور ﷺ کو نماز میں قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو آپ کے سینہ مبارک سے رونے کی ایسی صدا یا گونج سنائی دے رہی تھی جیسے بادل کی گرج یا ہانڈی کے ابال سے پیدا ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ حضور ﷺ پر کلام الٰہی کی عظمت سے رقت طاری ہوگئی تھی، حضور ﷺ کے قلب اطہر پر وحی نازل ہوئی آپ سے زیادہ کون اس کلام ربانی کی عظمت وہیبت کو جان سکتا ہے؟ اسی لیے جب حضرت عبداللہ بن مسعود نے جن کی آواز میں سوز اور تاثیر تھی آپ کی فرمائش پر قرآن مجید سنایا تو جس آیت پر حضور اشکبار ہوگئے وہ سورۂ نساء کی یہ آیت کریمہ تھی: ﴿فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید، وجئنا بک علی ھؤلاء شھیدا﴾ اے محمد ﷺ وہ دن بھلا کیسا دن ہوگا جب ہم ہر نبی کو اس کی امت پر اور آپ ﷺ کو ان پر گواہی کے لیے طلب کریں گے؟ اللہ اکبر! احکم الحاکمین، مالک یوم الدین کی عدالت میں گواہی کے تصور اور اپنی عظیم ذمہ داری کے خوف سے حضور ﷺ کی یہ حالت گریہ وزاری حیرت انگیز نہیں، یہ تو ہمیں سوچنا ہے کہ ہمارا شمار بقول علامہ اقبال:

امتی باعث رسوائی پیغمبر ہیں

میں تو نہیں ہوگا؟ جب کہ قرآن ہی میں ارشاد ربانی ہے "ہم ضرور ان سے جواب طلب کریں گے جن کی ہدایت کے لیے ہم نے اپنے پیغمبر بھیجے اور اپنے پیغمبروں سے بھی سوال کریں گے کہ تمہیں ہماری طرف سے دعوت اسلام اور ہمارا پیغام حق (قرآن) پہنچانے کا تمہاری امت کی طرف سے کیا جواب ملا؟

اور مالک الملک ذوالجلال والاکرام کے شاہانہ دربار میں یہ ساری عدالتی کارروائی عین عدل وانصاف پر مبنی ہوگی، ذرہ برابر بھی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی جائے گی، ہر شخص خود بھی اپنے اعمال اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا اور اس کے اپنے اعضاء بھی اس کے خلاف گواہی دیں گے۔

اور اس روز کسی کی سفارش یا مال واولاد کام نہیں آئیں گے، ہر شخص اپنے ماں باپ، بھائی بہن، اولاد اور اس برادری سے بھی دور بھاگے گا جو دنیا میں اس کی حمایت کرتی اور پناہ دیا کرتی تھی بلکہ ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی، کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اس نفسانفسی میں صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کا دامان رحمت ہی سایہ دے گا اور وہی اپنے رب سے امت کی بخشش طلب فرمائیں گے، اور وہ جس کو رحمٰن اجازت دیدے جب کہ وہ حق بات کہے۔

ان حقائق کی خبر اسی زندگی میں قرآن کریم ہی ہمیں بار بار اور مختلف ناصحانہ انداز میں دیتا ہے تاکہ ہم خواب غفلت سے بیدار ہوکر قرآن کریم کے ساتھ اپنا رویہ درست کرلیں، اور اپنے نفس کو قابو میں رکھیں بے لگام نہ ہونے دیں تاکہ ہماری عاقبت خراب نہ ہو، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت کی رسوائی سے اپنی پناہ میں رکھے۔

☆☆☆☆☆

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ترجمان:

۱۔ البعث الاسلامی (عربی) ماہنامہ
سالانہ زرتعاون: ۲۵۰ روپے
فی شمارہ: ۲۵ روپے

۲۔ الرائد (عربی) پندرہ روزہ
سالانہ زرتعاون: ۱۰۰ روپے
فی شمارہ: ۶ روپے

۳۔ تعمیر حیات (اردو) پندرہ روزہ
سالانہ زرتعاون: ۲۰۰ روپے
فی شمارہ: ۱۰ روپے

۴۔ The Fragrance of East
(Monthly)
سالانہ زرتعاون: ۱۰۰ روپے
فی شمارہ: ۱۰ روپے

۵۔ سچا راہی (ہندی) ماہنامہ
سالانہ زرتعاون: ۱۰۰ روپے
فی شمارہ: ۹ روپے

فکر انگیز

تصویر کا ایک رخ اور بھی ہے

از ..... مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

اسلام اور عالم اسلام کے متعلق وقتاً فوقتاً اخبارات میں مختلف قسم کی خبریں اور رپورٹیں شائع ہوتی رہتی ہیں، جن میں عالم اسلام کے خلاف ہونی والی سازشوں اور تخریبی کارائیوں کا انکشاف ہوتا ہے، اور مغربی سامراج کے توسیع پسندانہ عزائم اور منصوبوں پر روشنی پڑتی ہے، مسلم صحافت ان خبروں، تبصروں اور تجزیوں کو جوں کا توں نقل کردیتی ہے، ان رپورٹوں سے دعوت اسلامی کے میدان میں کام کرنے والوں میں مایوسی اور ناکامی کا احساس پیدا ہونا طبعی بات ہے، اور یہ احساس اس وقت اور زیادہ بڑھ جاتا ہے جب خود اسلامی ملکوں سے جہاں کا نظام حکومت نائن الیون کے واقعہ کے بعد امریکی کنٹرول میں آگیا ہے اسلام، دعوت اسلامی اور اسلام پسندوں پر عائد پابندیوں کی تکلیف دہ خبریں آتی ہیں۔

اس میں شک نہیں ہے کہ ان رپورٹوں میں کچھ نہ کچھ صداقت ہوتی ہے، اور وہ عالم اسلام کے حالات کی عکاسی کرتی ہیں، جنہیں کلی طور پر جھٹلایا نہیں جاسکتا، اگرچہ اس میں غلط بیانی اور غلط ترجمانی اور واقعات کی جانبدارانہ تصویر شامل ہوتی ہے، اس لئے دعوت اسلامی کے میدان میں کام کرنے والے اس کو نظر انداز نہیں کرسکتے، ان رپورٹوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ دشمنان اسلام کی یلغار کا دائرہ اب فوجی کاروائیوں تک ہی محدود نہیں رہا، بلکہ اس کا دائرہ فوجی کاروائی سے لیکر ذرائع ابلاغ، اقتصادی، سیاسی، تہذیبی، نفسیاتی اور فکری یلغار تک وسیع ہوچکا ہے، اور مغربی ممالک سیکولرزم، آزادئ رائے، جمہوریت اور آزادئ عقیدہ کے دعوی کے باوجود، دین اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر کو روکنے کے لئے اس کو بدنام کرنے کی پوری کوشش کررہے ہیں، اور اس کے لئے ایسے اقدامات کررہے ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کی شبیہ کو بگاڑنے میں ممد ومعاون ثابت ہوں، اور اس میں میڈیا ان کا بھرپور ساتھ دے رہا ہے، اور رائے عامہ کو متاثر کررہا ہے۔

مغربی ممالک کی اسلام مخالف کوششوں، تنظیموں، تحریکوں اور اسلام مخالف نظریات کی پشت پناہی وحمایت کوئی نئی بات نہیں ہے، اس کا سلسلہ صدیوں سے جاری ہے، استشراق کی تاریخ قدیم ہے، عیسائی مشنریز کی سرگرمیاں بھی صلیبی جنگوں کے زمانہ سے قائم ہیں، اس عصر میں اس میں وسعت پیدا ہوئی ہے اور وسائل ابلاغ نے ان کو نمایاں کردیا ہے، موجودہ دور میں یورپ کا دعوی یہ ہے کہ کلیسا اور حکومت کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن دستاویزات اور رپورٹوں سے صاف صاف ثابت ہوتا ہے کہ کلیسا اور یورپی حکمرانوں کے درمیان گہرے روابط ہیں، اٹلی، فرانس، جرمنی، برطانیہ اور امریکہ کے حکمراں عیسائیت کی تبلیغ واشاعت میں عیسائی مشنریز کی مکمل پشت پناہی اور کھل کر حمایت کررہے ہیں، حتی کہ اسلامی ملکوں کی حکومتوں کو اس پر مجبور کیا جارہا ہے کہ اپنے اپنے ملکوں میں عیسائیت کے فروغ کے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالیں، عیسائی مشنریز کو تحفظ فراہم کریں، اسلام پسندوں کو اقتدار سے دور رکھیں، دعوت اسلامی پر پابندی لگائیں، اسلامی اداروں کی مالی امداد بند کریں، نصاب تعلیم سے اسلامی روح پیدا کرنے والا مواد ختم کردیں، اسلامی ودینی قدروں کو ختم کرنے کے لئے مغربی تہذیب وتمدن کو عام کریں، اور اپنے ملک کو مغرب کے رنگ میں رنگنے کے لئے ضروری اقدامات کریں، مذہبی علامتوں اور امتیاز کو ختم کریں، مغربی نظام حیات اور تصور زندگی کی مخالفت کرنے والوں پر پابندی لگائیں، ان نکات پر مشتمل حال میں ایک منصوبہ عربی اخبارات میں شائع ہوا ہے، جس پر امریکی انتظامیہ غور کررہی ہے۔

مغرب میں اسلام دشمنی کا بڑھتا ہوا موجودہ رجحان درحقیقت ایک حقیقت کے اعتراف اور ایک نئے رجحان کے ادراک پر مبنی ہے، جسے مغربی میڈیا چھپانا چاہتا ہے، مگر وہ خود میڈیا ہی کی رپورٹوں سے جھلک جاتا ہے، اور وہ اس تصویر کا دوسرا رخ ہے۔

عربی رسالہ "الجمع" نے مارچ ۲۰۰۷ء کے شمارہ نمبر ۱۷۳۹ میں ایک جرمن اخبار کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وٹیکن نے پوری دنیا میں اسلام کے پھیلاؤ کو روکنے کے لئے ایک خطیر رقم منظور کی ہے، اور اس کام کے لئے پادریوں کی ایک تنظیم کو جو انجیل کی اشاعت وترویج کا کام کرتی ہے، مکلف کیا گیا ہے، اس مقصد کے حصول کے لئے متعدد وسائل اختیار کئے گئے ہیں، جن میں سرفہرست اسکولوں کا قیام، رفاہ عام کے اداروں کی تعمیر خصوصاً محتاجوں، غریبوں، ناداروں کے قیام وطعام کا نظم وانتظام کرنا ہے، پادریوں کی مذکورہ تنظیم میں تقریباً ایک ملین افراد کام کرتے ہیں، اس میں ۱۸۵ ہزار پادری اور کاہن ہیں، ۴۵۰ ہزار دیگر کارکن ہیں، جنہوں نے حالیہ سالوں میں ۲۸۰ تربیتی کیمپوں کے ذریعہ ۶۵ ہزار عیسائی مبلغ تیار کئے ہیں، اس تنظیم میں تقریباً ایک ملین کارکن ایسے بھی ہیں جو شہر شہر، قریہ قریہ گشت کرتے ہیں اور ناداروغریبوں کا شکار کرکے ان کو کیتھولک چرچ کا تابع بنادیتے ہیں۔

مذکورہ رپورٹ نے اس کا بھی انکشاف کیا ہے کہ بش انتظامیہ نے سال ۲۰۰۵ء میں رفاہی اور عیسائی مذہبی اداروں کو دو ارب ڈالر سے زیادہ رقم دی ہے، گویا کہ موجودہ سامراج عسکری اور مشنری دونوں راستوں سے اسلام پر حملہ آور ہے۔

اس قسم کی سرگرمیاں کوئی نئی بات نہیں ہیں، اس سے پہلے بھی کلیسا انڈونیشیا کو عیسائی اسٹیٹ بنانے کا اعلان کرچکا ہے، اور اس نے اس پر بڑی توجہ صرف کی، اور اس سلسلہ میں بڑے اقدامات کئے، اسی طرح افریقہ کے کئی مسلم ملکوں کو عیسائی بنانے کی کوششیں اور سازشیں کی گئیں، اسی تناظر میں موجودہ پوپ نے کئی اسلامی ملکوں کا دورہ کیا ہے، اس کی تازہ مثال ترکی کا دورہ

ہے، جہاں بڑے منظم پیمانے پر عیسائی مشنریز سرگرم عمل ہیں، میڈیائی خبروں کے مطابق ترکی میں ایک بڑی تعداد نے نصرانیت اختیار کرلی ہے، اور پوپ کا دورہ بھی ان سرگرمیوں کو تقویت پہونچانے کے لئے کیا گیا ہے، عیسائی مشنریز خاص طور پر ان اسلامی ملکوں کو نشانہ بناتی ہیں جو طبعی آفات وحوادث، ، خانہ جنگی، سیلاب، زلزلہ ،طوفان، یا دیگر مشکلات ومصائب کا شکار ہوجاتے ہیں، وہ ان متاثرہ ملکوں میں امداد کے نام پر کام کرتی ہیں، اور ہمدردی کا اظہار کرکے لوگوں کو عیسائی بنالیتی ہیں۔

بلاشبہ اس طرح کی رپورٹیں بڑی تشویشناک اور بڑے خطرہ کی غماز ہیں، اور اس کے مقابلہ کے لئے بڑی توجہ اور تیاری اور مناسب حکمت عملی اختیار کرنے کی ضرورت ہے، لیکن اس سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے، اور نہ ہی دہشت زدہ ہونے کی ضرورت ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے دین اسلام کی بقاوحفاظت کا وعدہ کیا ہے ﴿إنا نحن نزلنا الذكر و إنا له لحافظون﴾ [سورہ حجر: ۹] ﴿يريدون ليطفئوا نور الله بأفواههم و الله متم نوره و لو كره الكافرون﴾ [صف:۸] اور اس طرح کی اسلام مخالف کوششیں، سرگرمیاں، سازشیں اور تخریبی کاروائیاں روز اول سے ہوتی رہی ہیں اور سامراج کے عہد میں ان کا دائرہ اور وسیع سے وسیع تر ہوگیا۔

دوسری طرف مغربی ملکوں میں اسلام کی روزافزوں ترقی اور مقبولیت کی ہمت افزا ومسرت آمیز خبریں بھی آتی رہتی ہیں، اور مسلمانوں میں اپنے دین سے وابستگی، اسلامی غیرت اور ایمانی حمیت کا جذبہ بڑی تیزی کے ساتھ فروغ پارہا ہے، اور لوگ اسلام کے دامن رحمت میں پناہ لے رہے ہیں، اور خوش آئند بات یہ ہے کہ خود عیسائی ملکوں میں اسلام حیرت انگیز تیزی سے پھیل رہا ہے، جس کا اعتراف خود عیسائی مشنریز کو بھی ہے، اور سابق پوپ نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے، اسپین، برطانیہ، امریکہ، فرانس، یونان، جرمنی، اور روس میں ہزار ہا رکاوٹوں، عداوتوں اور مشکلات کے باوجود اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے، اسی عربی رسالہ "المجتمع" نے روسی ذرائع کے حوالہ سے لکھا ہے کہ روس میں حالیہ مہینوں میں ۳ لاکھ روسیوں نے اسلام قبول کرلیا ہے، اور اسلام قبول کرنے والوں میں بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو مسیحی تعلیمات پر سختی سے کاربند تھے، اور امریکہ، برطانیہ اور جرمنی میں مسلمانوں کی آبادی روزافزوں ہے، فرانسیسی اخبار لاکسپریس کی رپورٹ کے مطابق فرانس میں اسلام بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے، بوریکنا فاسو میں ۲۰۱۰ لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے، یورپین ممالک خصوصا برطانیہ میں کلیسا فروخت کئے جانے کا رجحان عام ہے، اس لئے کہ عیسائیوں نے کلیسا جانا چھوڑ دیا ہے، اور متعدد کلیسا مساجد میں تبدیل ہوچکے ہیں، اور یورپین ممالک میں نمازیوں کی تعداد بڑھنے کی وجہ سے مسجدیں تنگ ہورہی ہیں، ابھی ہالینڈ کے بعض اداروں سے مسجدوں کی بڑھتی ہوئی تعداد پر تشویش ظاہر کی گئی ہے، مساجد میں نماز پڑھنے کے شوق کا یہ عالم ہے کہ لمبی لمبی مسافتیں طے کرکے مسلمان مسجد آتے ہیں، مسلمانوں کے اس جذبہ اور شوق کو دیکھ کر سرکاری اداروں نے ہالوں، گیراجوں اور کمپنی کے لان میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دی ہے، اسی طرح بعض ملکوں میں سرکاری اسکولوں میں دینی تعلیم کی اجازت مل گئی ہے، اور خود عیسائی اسکولوں میں اسلامی مضامین داخل کئے جارہے ہیں، اور اسلامی تعلیم کے بڑے پیمانے پر ادارے قائم کئے جارہے ہیں، اور مسیحی ملکوں میں ریڈیو اور ٹی وی اسٹیشنوں سے اسلامی تعلیمات پر مبنی پروگرام نشر کرنے کی اجازت حاصل ہوگئی ہے، لیکن مغربی میڈیا اس طرح کی خبریں نشر نہیں کرتا، اس کے برعکس اسلام کے خلاف زہر افشانی کرتا ہے اور اسلام سے نفرت پیدا کرنے والا مواد شائع کرتا ہے، اور یورپ کو اسلام سے خوفزدہ کرتا رہتا ہے۔

اسلام کی طرف بڑھتا ہوا یہ میلان اور مسلمانوں کی اپنے دین سے بڑھتی ہوئی یہ گہری وابستگی دشمنوں کے لئے باعث تشویش ہے، اس لئے دشمنان اسلام اسلام کو مٹانے کے لئے مختلف وسائل اختیار کررہے ہیں، لیکن اسلام کی طرف یہ رجحان درحقیقت مغرب کے مادی نظام اور صنعتی زندگی کا ردعمل ہے اور یہ طبعی رجحان ہے، ﴿كتب الله لأغلبن أنا و رسلي إن الله قوي عزيز﴾ [مجادلہ:۲۱] (اللہ تعالی لکھ چکا ہے کہ بیشک میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے، یقینا اللہ تعالی زور آور اور غالب ہے) ﴿إنا لننصر رسلنا و الذين آمنوا في الحياة الدنيا و يوم يقوم الأشهاد﴾ [غافر:۵۱] (یقینا ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد زندگانی دنیا میں بھی کریں گے اور اس دن بھی جب گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے) ﴿أذن للذين يقاتلون بأنهم ظلموا و إن الله على نصرهم لقدير﴾ [الحج:۳۹] (جن مسلمانوں سے کافر جنگ کررہے ہیں انہیں بھی مقابلہ کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ تعالی ان کی مدد پر قادر ہے)۔

اسلام کی پوری تاریخ اس کی شاہد ہے کہ ہر زمانہ میں حق وباطل اور خیر وشر میں کشمکش جاری رہی ہے، اور ایسا زمانہ بھی آیا ہے کہ قریب تھا کہ اسلام ختم ہوجائے، لیکن اسلام ہر معرکہ میں کامیاب اور فاتح ہوکر نکلا، کیونکہ اللہ تعالی نے اس دین کی حفاظت وبقا کی ضمانت لی ہے، اور دین اسلام ہی برحق ہے، جو شخص بھی اسلام کا صاف ذہن اور عصبیت سے بالاتر ہوکر مطالعہ کرتا ہے وہ اس اسلام کی حقانیت اور صداقت کا اعتراف کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے، ﴿إن الدين عند الله الإسلام و ما اختلف الذين أوتوا الكتاب إلا من بعد ما جاء هم العلم بغيا بينهم و من يكفر بآيات الله فإن الله سريع الحساب﴾ [آل عمران:۱۹] (بیشک اللہ تعالی کے نزدیک دین اسلام ہی ہے، اور اہل کتاب نے اپنے پاس علم آجانے کے بعد آپس کی سرکشی اور حسد کی بنا پر ہی اختلاف کیا ہے اور اللہ تعالی کی آیاتوں کے ساتھ جو بھی کفر کرے اللہ تعالی اس کا جلد حساب لینے والا ہے)۔

ترجمانی : محمد وثیق ندوی

حادثۂ وفات

موسم گرما کی تعطیل کے سبب دس جون کا تعمیر حیات جلد تیار کرکے پریس بھیجا جاچکا تھا کہ دارالعلوم کے لائق وفائق استاد، شیخ الحدیث **مولانا ناصر علی صاحب** کا یکم جون ۲۰۰۷ء کو حادثۂ وفات پیش آگیا "انا للہ وانا الیہ راجعون" قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے تفصیلات ۲۵ جون کے شمارہ میں پیش کی جائیں گی۔

وحی اور سائنس

ڈارون کا نظریہ ارتقاء

از.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

جدید سائنس ڈارونی نظریے کو پوری تفصیلات کے ساتھ قبول کرنے سے قاصر ہے، لیکن آج کا انسان جس کو اپنی عقل پر ناز ہے وہ اب بھی ان لکیروں کو پیٹ رہا ہے، خدا کی دی ہوئی بزرگی اس کو نہیں بھاسکی، اس کو یہی پسند ہے کہ جانور کو اپنا مورث اعلی قرار دے، بندر سے پیچھا چھوٹے بھی تو کیڑے مکوڑے نظر آئے، اپنے ظاہری علم کی بنا پر اس نے ان ہی کو مورث قرار دے دیا، مثل مشہور ہے، آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔

کوئی ان زمین وآسمان کے قلابے ملانے والے سائنسدانوں سے پوچھے، تمہارے حدود علم کیا ہیں، کن علوم کو تم نے اپنی تحقیق کا محور بنایا ہے، قرآن کا تو صاف اعلان ہے ﴿بل ادارك علمهم في الآخرة﴾ آخرت کے بارے میں ان کا علم پنگچر ہوچکا، یہ تو میدان ہی کچھ اور ہے۔

جدید سائنس کی کل کائنات وہ تجربات ومحسوسات ہیں جن پر وہ اپنے علم کی بنا قائم کرتے ہیں اور پھر اس پر فلک بوس عمارتیں قائم کی جاتی ہیں، اسلام نے تو ہمیشہ علم کا صرف ساتھ ہی نہیں دیا بلکہ اس کو نئی سمتیں عطا کیں، بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے، تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اس سے خوب واقف ہیں کہ آج کی جدید سائنس مسلمانوں کی مرہون منت ہے، بنیادیں مسلمانوں نے ہی فراہم کی تھیں جن پر آج سائنس نے ایسی فلک بوس عمارتیں تعمیر کردی ہیں کہ نگاہیں خیرہ ہورہی ہیں، لیکن مسلمانوں نے ان علوم کی بنیاد حقائق پر رکھی، واقعیت پسندی نے ان کو بے لگام نہیں ہونے دیا، دنیا کی دوسری قومیں اس راز کو نہ سمجھ سکیں انہوں نے صرف محسوسات ہی کو سب کچھ سمجھا، اور اس پر طرہ یہ کہ علماء نصاری نے نئی تحقیقات کی روشنی میں اپنی مذہبی کتابوں میں بھی تبدیلی کرڈالی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب ان تحقیقات ونظریات میں تبدیلی پیدا ہوئی تو ان مذہبی کتابوں پر سے قوموں کا اعتماد اٹھ گیا، اور یہیں سے دین ودنیا کی تفریق شروع ہوئی، مذاہب کو گرجا تک محدود کردیا گیا۔

دنیا کے لیے شاید وہ سب سے نامبارک دن تھا جب ترقی پذیر دنیا کے سامنے مذاہب کے نام پر مسیحیت کو پیش کیا گیا، جس مذہب کو علم سے بیر ہو وہ ترقی پذیر دنیا کی قیادت کیا کرتا، اس کے لیے تو خود اپنا دامن بچانا مشکل ہوگیا، گرجانے عافیت اسی میں سمجھی کہ کسی گوشہ میں سماجائے اور دنیا کو اپنی ڈگر پر چلنے دے، اگر اب بھی کسی مذہبی بات کا سائنس سے تصادم ہوجائے تو اس مذہبی مسئلہ کو ٹھونک پیٹ کر ٹھیک کرلیا جاتا ہے۔

جو چیز ادراک واحساس سے ماورا ہو کیا کوئی اپنی عقل سے اس کی یافت کرسکتا ہے، یہ تو میدان ہی الگ ہے، اس کے معلوم کرنے کا اگر کوئی راستہ ہے تو وہ صرف وحی الہی ہے اور اس کا ذریعہ صرف حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں۔

روح کی حقیقت کوئی سمجھ سکا؟ ساری ایجادات وانکشافات کے باوجود کیا کوئی اس کی ابجد سے بھی واقف ہوسکا؟ اللہ تعالی کا صاف اعلان ہے ﴿قل الروح من أمر ربي و ما أوتيتم من العلم الا قليلا﴾ فرمادیجئے کہ روح تو میرے رب کا ایک امر ہے اور تمہیں تو تھوڑا ہی علم دیا گیا ہے۔

ان حدود کو اگر آج کے صاحب علم سمجھ لیں تو مسئلہ ہی صاف ہوجائے، تصادم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، دونوں کا میدان الگ ہے، دین اللہ کا نازل کردہ ہے، اس میں سارے حقائق بیان کردیئے گئے ہیں، میدان علم میں آگے بڑھنے کی اس میں دعوت دی گئی ہے، اور راستے بھی بتادیئے گئے ہیں، اعلان ربانی ہے ﴿سنريهم آياتنا في الآفاق وفي أنفسهم حتى يتبين لهم أنه الحق أو لم يكف بربك أنه على كل شئ شهيد﴾ عنقریب ہم ان کو وہ نشانیاں دکھادیں گے جو آفاق (ارض وسماء) میں پھیلی ہوئی ہیں یہاں تک یہ بات ان کے سامنے کھل جائے گی کہ حق وہی ذات ہے اور بلاشبہ وہ ہر چیز پر زبردست قدرت رکھنے والی ہے۔

اللہ کی نشانیوں پر غور کرنے سے ایمان بڑھتا ہے علم میں اضافہ ہوتا ہے، لیکن جو حقائق کتاب وسنت میں بیان ہوچکے ہیں وہ اٹل ہیں، ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی ہزار تحقیق ونظر کے بعد انسان کو لوٹ کر اسی حقیقت کی طرف آنا ہے جو آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے بیان کی جاچکی ہے۔

اللہ تعالی نے یہ دنیا انسانوں کے لیے آراستہ کی، پھر آدم وحواء کو اس دنیا میں اتارا اور پھر دنیا کو ان کی اولاد سے آباد کردیا ارشاد ربانی ہے:

﴿يا أيها الناس اتقوا ربكم الذي خلقكم من نفس واحدة و خلق منها زوجها و بث منهما رجالا كثيرا و نساء﴾ اے لوگو اپنے اس پروردگار کا لحاظ رکھو جس نے تم کو ایک اکیلی جان سے پیدا کیا (پہلے) اس اکیلی جان کا جوڑا اسی سے بنایا اور (پھر) ان دونوں سے بڑی تعداد میں مرد وعورت (دنیا میں) آباد کردیئے۔

(بقیہ صفحہ:۲۰ پر)

ایک مطالعہ

گلدستۂ علم ونظر

تصنیف :- جناب مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی

از ..... پروفیسر وصی احمد صدیقی

جناب مولانا برہان الدین صاحب کی کتاب نظر کے سامنے ہے اور اس گلدستہ کے پھول خوشبوئے مشام کے ساتھ جنت نگاہ بھی ہیں، اگر اس کتاب کو کوئی اور نام دیا جاسکتا ہے تو وہ قوس قزح ہے، ہر خوبصورت رنگ سامنے ہے اور ان کا مجموعی حسن یہ یاد دلاتا ہے کہ سب ایک سفید پاکیزہ رنگ کے منتشر ہونے سے بنے ہیں، اس سفید رنگ کا ایکتا پن اللہ کی شان وحدانیت کا عکاس ہے۔

میں نے ابھی خوشبوئے مشام کا ذکر کیا ہے، یہ مجھے حافظ شیرازی کے اس شعر کی یاد دلاتا ہے جو نتیجہ ہے، دیکھئے کتنا خوبصورت شعر ہے ۔

در محفل ما عطر میامیز کہ جاں را
ہر لحظہ ز گیسوئے تو خوشبوئے مشام است

اس کتاب کا تعلق مباحث اور دلائل سے ہے مگر اندر کی لہر (Under Curent) حمد ونعت ہی کے لیے جوش زن ہے، کیسا خوبصورت برہان اور وجدان کا امتزاج ہے، یہ کاروبار عشق بڑی لمبی مدت پر محیط ہے، یہ پھولوں کی سوداگری ہے، وہ پھول جو کبھی نہیں مرجھاتے اور جن سے کف گل فروش کبھی خالی نہیں ہوتا اور جن کے دام یا دوسرے لفظ میں اجر اللہ کے خزانہ سے مولانا کو ملے گا، خریدار کے لیے یہ مفت ہے۔

کتاب کے سارے حوالے اللہ کے حکم، نبیؐ کے طریق اور فرمان، اور صحابہؓ کے عمل سے لیے گئے ہیں۔

مولانا کی فکر قانون شریعت سے الگ ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ مولانا پر یہ بات منکشف ہے کہ اسلام کے قوانین ازلی اور ابدی ہیں، کسی دور سے وابستہ نہیں لیکن جامد بھی نہیں ہیں، زمانہ کی ضرورتوں کا پورا خیال ہے، اور یہ ضرورتوں کی رعایت، اسلامی اصول اور قوانین سے کہیں نہیں ٹکراتی۔

پہلا باب فقہ حنفی سے متعلق ہے، دوسری فقہوں سے تقابل ہے اور زندہ مثالوں سے ثابت کیا ہے کہ زمانہ کے چیلنجوں سے مقابلہ کی صلاحیت سب سے زیادہ اس فقہ میں ہے، انسانی مساوات، مذہبی آزادی، اختیارات اور رائے کی آزادی کے ساتھ ساتھ عورت کی رعایت اور سہولت پر بہترین تبصرہ ہے، مولانا نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں جب دنیا ایک مکان کا صحن ہوگئی ہے کسی دیندار کو فقہ حنفی کی وسعتوں ہی میں پناہ ملتی ہے، مولانا نے اس پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے جو عقل اور عمل کی کسوٹی پر کھری اترتی ہے، ایک مثال صدقۂ فطر میں بدل ادا کرنے کا جواز ہے جو انتہائی اطمینان بخش ہے، اور دوسری فقہوں سے مختلف ہے جو غیر عملی ہیں، مولانا نے اسلام کا نظام عدل اور تصور مساوات پر اصول شریعت کی روشنی ڈالی ہے اور لفظ عدل کے معنی کی وسعت اور ہمہ گیری کو سامنے رکھا ہے، یہ باب لمبا ہے لیکن کوئی بات غیر ضروری نہیں، کلام پاک سے احکامات کی ابتداء ہے، بہت عملی مضمون ہے اور عوام کے ساتھ خواص بھی اس کو پڑھ کر بہت کچھ جان سکتے ہیں۔

عورت جس کے متعلق بڑا پروپیگنڈہ ہے کہ اس کے ساتھ انصاف نہیں ہوتا اس بات کو رد کیا ہے اور لکھا ہے کہ طبعی فرق کے سبب سے احکام میں امتیاز ہے اور بہت سے موضوعات میں عہدۂ قضا کے مطالبات، فیصلہ کو غیر متوازن حالت میں کرنے کی مناہی، شہادت کی اہمیت، خیر القرون کے معاشرہ کی سچی تصویر، سنت میں عمل اور تقریر دونوں کا دخل ہونا، یہاں مولانا کی عبارت بھاری ہوگئی ہے، لیکن موضوع کے لحاظ سے اسے سہل نہیں کیا جاسکتا، احناف سنت کو کتاب اللہ کے قریب مانتے ہیں، ہمارے لیے تو مولانا رومؒ کا شعر کافی ہے ۔

گفتہ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

مولانا نے ایک عربی عبارت نقل کرکے یہ لکھا ہے کہ یہ طویل عبارت صرف اہل علم کے لیے ہی معلوم ہوتی ہے اس لیے اس کا ترجمہ نہیں کیا گیا، پھر مولانا اجماع پر آئے، نئے مسائل کے حل کے لیے کن صلاحیتوں کی ضرورت ہے، فقہ اور فقیہ کا کردار تاریخ کی روشنی میں بیان کیا ہے۔

مقالہ کے آخر میں مولانا نے نوٹ لکھا ہے کہ یہ مقالہ تعلیم گاہوں بالخصوص مدارس عربیہ کے لیے لکھا ہے، یقیناً یہ طالب علموں کے علم میں بہت اضافہ کرے گا۔

ایسے تو سارے مضامین خاصہ کی چیزیں ہیں لیکن اسلام اور حقوق انسانی کے بارے میں مولانا نے جو مضمون لکھا وہ انتہائی چشم کشا ہے، قرآن مجید میں مساوات انسانی سے متعلق آیات لکھی ہیں

اور احادیث نبویہ سے ان پر روشنی ڈالی ہے، حضرت عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد پیدا کیا ہے، تم نے انہیں غلام کیوں بنالیا؟ حکمت نبویؐ میں طبقاتی کشمکش کا حل ڈھونڈا ہے اور لکھا ہے اگر ان تعلیمات کو اپنا لیا جائے تو فلاحی ریاست کے خواب کی تعبیر نکل آسکتی ہے، پھر احادیث موضوعہ جو عوام میں رائج ہوگئی ہیں ان پر اختصار سے تبصرہ کیا ہے، اور دعا مانگی ہے کہ خدائے تعالیٰ لوگوں کو ان احادیث کے بیان کرنے سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جذباتی مضامین بھی ہیں جن میں حرم کے مسافروں اور مکینوں سے خطاب کیا گیا ہے، مضمون کے خاتمہ پر مولانا نے جو شعر لکھا ہے اس کا دل پر عجب نشاط آمیز اثر ہوتا ہے ۔

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید وبایزید اینجا

ایک دلچسپ مضمون فاسق کی نماز جنازہ ہے، بہت سے دلائل اور براہین کو پیش کرتے ہوئے مولانا اس انتہائی انسانی شرافت اور دینی جذبہ سے مرکب نتیجہ پر آئے کہ فاسق کی زندگی میں اس سے قطع تعلق کرنے اور اس کے عدم توقیر کی ہدایت احادیث میں دی گئی ہے جو اسے فسق سے توبہ کرنے کی طرف مائل کرے مگر مرنے کے بعد یہ مصلحت باقی نہیں رہتی، اب تو اسلامی رشتے اور اس کی خیر خواہی کا تقاضہ نماز جنازہ پڑھ کر اس کے لیے دعائے مغفرت کرنا ہی ہے۔

بابری مسجد کا نام لیے بغیر مولانا نے ایک معرکۃ الآراء مضمون لکھا ہے کہ منصوبہ زمین پر مسجد کی تعمیر ہو ہی نہیں سکتی، کوئی مسلمان بادشاہ یا کوئی امیر وحکمراں کسی ایسی زمین پر مسجد بنا ہی نہیں سکتا جو شرعاً اس کی ملکیت میں نہ ہو، فلاں مسجد مندر کی جگہ پر بنی ہے محض غلط پروپیگنڈہ بلکہ الزام تراشی ہے جس پر کوئی یقین نہیں کرسکتا۔

کتاب کے آخر میں مضامین کا سلسلہ موجودہ زمانہ کے مسائل سے ہوگیا ہے جیسے فون یا انٹرنیٹ کے ذریعہ نکاح کا طریقہ، مولانا نے اس کی قبولیت کے شرائط بیان کیے ہیں، اور حضرت تھانویؒ کا فتویٰ نقل کیا ہے۔

ایسا ہی مضمون انٹرنیٹ وٹیلی ویژن وتصویر وغیرہ کا دینی مقاصد کے لیے استعمال پر ہے، یہ ایک سوالنامہ کا جواب ہے، مولانا کے سامنے ان چیزوں کا زبردست استعمال ہے اور ساتھ ہی ساتھ شرعی تقاضے بھی ہیں، مولانا نے بڑی گرہ کشائیاں کی ہیں، زندہ پروگرام کا پیش ہونا اور ریکارڈ کئے ہوئے پروگرام کا پیش ہونا، دونوں کا فرق واضح کیا ہے، مگر مضمون خالص علمی ہے، اس سے نتیجہ نکالنا بہت مشکل ہے، بس جو بُری باتیں عام زندگی میں ہیں وہی اسکرین پر ہیں اور ان سے بچنا ہر اچھے مسلمان کا شعار ہونا چاہئے گو مولانا نے لاوٴنج کو جلی کرنے کی کوشش کی ہے۔

اور بھی مضامین ہیں جن پر لکھنے سے زیادہ پڑھنا دلچسپ ہے، مولانا کو بحیثیت قاضی یا مفتی کے جو فیصلے کرنے ہوتے ہوں گے ان کا یہاں بیان ہے، مولانا کے تحریر کے اسٹائل نے ان کو دلچسپ کردیا ہے۔

پھر وہ مضمون آتا ہے جو اس گلدستہ کا سب سے خوبصورت پھول ہے، وہ ہے ”منصب خلافت اور خلفائے راشدین قرآن وحدیث کی روشنی میں“ خلفائے راشدین کا بیان اسی طرح ہے جیسے ہر جمعہ میں خطبہ میں سنا جاتا ہے، وہاں مجمل ہے یہاں مفصل۔

خلفائے اربعہ کے فضائل، ان کا ایک دوسرے کا اکرام، خونِ عثمانؓ پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا فیصلہ کہ اگر اسے رائیگاں جانے دیا گیا تو آسمان سے سنگین عذاب نازل ہونے کا زبردست خطرہ ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر جو تحریر لکھی ہے وہ یقیناً ان سے انصاف کا حق ادا کرتی ہے، اور ان کے شایان شان ہے، پورا مضمون ایک دانشور، تاریخ اسلام کے ماہر اور گداز قلب کے مالک کے علم اور جذبات سے مرکب ہے اور بے حد قابل قدر ہے۔

سب سے آخری مضمون حضرت شاہ ولی اللہؒ کے مسلک کا ہے جو دلائل کے بیان کے ساتھ ایک فکیہانہ جاذبیت بھی رکھتا ہے جو مولانا کی ہلکی سی ناخوشی سے پیدا ہوتی ہے۔

اس کتاب کا مقدمہ بھی کتاب کی طرح طاقتور اور پرشکوہ ہے، مقدمہ نگار نے کتاب کے مضامین کے ساتھ صاحب کتاب کے کمالات پر روشنی ڈالی ہے جو یقیناً نور علی نور ہے۔

مولانا برہان الدین صاحب کے تبحر علمی سے دینی حلقے بخوبی واقف ہیں، ہندوستان کے صف اول کے علماء میں ہیں اور یقیناً ملت نے بھی ان کی بڑی قدر کی ہے، دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل ودارالعلوم ندوۃ العلماء کے شیخ التفسیر، مجلس تحقیقات شرعیہ کے ناظم، مسلم پرسنل لا بورڈ کے رکنِ تاسیسی، فقہ اکیڈمی کے نائب صدر ہیں اور بقول فاضل مقدمہ نگار کے ہندوستان میں شاید ہی علم وتحقیق کی کوئی بزم آراستہ ہو جس میں آپ کی شمولیت نہ ہو۔

میں میر انیس کے ایک شعر پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں جو مولانا پر صادق ہے ۔

گلشن میں سروفوج میں مثلِ نشاں رہے
عالم میں سربلند رہے ہم جہاں ہے

☆☆☆☆☆

نعت شریف

از.....ڈاکٹر طفیل احمد مدنی

اززمیں تا آسماں ہرسو ہے شہرہ آپ کا
کوئی ثانی ہی نہیں ہے میرے آقا آپ کا

آپ ہی توسید لولاک ہیں میرے حضورؐ
کون جانے گا بجز اللہ ،رتبہ آپ کا

آپ ہیں نورمجسم رحمۃ للعالمین
نوررحمت سے مرکب ہے سراپا آپ کا

رکھ نہیں پایا زمانہ آج تک انگلی کہیں
ہرسخن ہے معتبر ہر قول سچا آپ کا

اپنے قرآں میں کہیں طٰہٰ کہیں یٰس کہا
قدرداں ہے کس قدر خود رب کعبہ آپ کا

عالم کون ومکاں ہے اس قدر احسان مند
آج بھی گن گارہاہے ذرہ ذرہ آپ کا

جب مکان ولا مکاں ہیں آپ کے زیرنگیں
کیا کوئی مشکل ہے میرے گھر تک آنا آپ کا

آپ کو ہر ہر نفس پر فکر امت ہی رہی
کس قدر مضبوط ہے امت سے رشتہ آپ کا

یونہی دی جائیں اذانیں مسجدوں میں حشر تک
تاقیامت یونہی لہرائے پھریرا آپ کا

اس طفیلؔ عاصی وخاطی پہ بھی ہو اک نظر
ہے بہر صورت بُرا ہو یا وہ اچھا آپ کا

☆☆☆☆☆

المیۂ فلسطین سے تین سبق

از.....حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

حقیقی خیر خواہی

میں چاہتا ہوں کہ اس مجلس میں آپ سے کچھ صاف باتیں کروں جو بات بھی کہوں پوری قوت، پورے یقین اور پورے اعتماد سے کہوں، آپ حضرات نے مجھ سے جس حسن ظن اور مجھ پر جس اعتماد کا مظاہرہ کیا ہے، آپ کا یہ اعتماد، میری طرف اٹھی ہوئی آپ کی نگاہیں، میری آواز پر لگے ہوئے آپ کے کان اس کے متقاضی ہیں کہ میں صاف گوئی سے کام لوں "مجاملت" اور مداہنت نہ کروں بلکہ کچھ کھری کھری باتیں کروں اور اپنے گھر اور خاندان کے افراد کے ساتھ "مجاملت" کرتا بھی کون ہے؟ ہر انسان اپنے بھائی بندوں اور اپنے خاندان والوں سے سچی محبت رکھتا ہے، یہ محبت اسے صاف گوئی پر مجبور کرتی ہے، خاندان کا سربراہ افراد خاندان سے غلط بیانی نہیں کرسکتا۔

مجھے اجازت دیجئے کہ آپ سے کچھ صاف صاف باتیں کروں اور اپنا درد دل آپ حضرات کے سامنے کھول کر رکھدوں۔

حادثات سے عبرت پذیری

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جن اوصاف اور صلاحیتوں سے آراستہ فرمایا ہے، ان میں سے سب سے اہم حادثات سے عبرت پذیری اور زندگی کے تجربات سے نفع حاصل کرنا ہے، یہ صلاحیت اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی بہت بڑی اور بہت اہم دولت ہے، اس نے تہذیب وتمدن، علوم وفنون، اور صنعت وتجارت تمام میدانوں میں آگے بڑھنے کا راستہ کھولا ہے، اسی نے حفاظت اور دفاع کی راہیں دکھائی ہیں، اور عزت وحرمت کی حفاظت کے طریقے سکھائے ہیں، اور انسان تو روزمرہ کے معمولی واقعات سے سبق حاصل کرتا ہے، اور نتائج اخذ کرتا ہے، اور پورے طور پر اپنے فرائض کی ادائیگی اور اپنے عزت وشرف اور اپنے دین وایمان کی مناسب اور مکمل حفاظت بھی وہی انسان بہتر طریقے پر کرسکتا ہے جو زندگی کے حادثات وواقعات سے صحیح نتیجہ اخذ کرے، ان سے سبق حاصل کرے، اور زندگی کے میدان میں ان سے فائدہ اٹھائے، یہ وصف تو انسان کی فطرت اور اس کے خمیر میں شامل ہے، ایک بچہ اگر زندگی کا بالکل ابتدائی مرحلہ طے کرچکا ہے اور عقل وشعور کی ابتدا ہوچکی ہے، وہ بھی اگر آگ کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے اور اسکی انگلی جل جاتی ہے تو وہ ہمیشہ کے لیے سبق حاصل کرتا ہے اس کے دل ودماغ میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ اگر کبھی آگ کی طرف ہاتھ گیا تو انگلی ضرور جل جائے گی اور اس کو خطرہ پیش آئے گا، اسی کو علم استقراء کہا جاتا ہے، جزئیات سے کلیات کی طرف انتقال اسی کا نام ہے اور یہی علم ہے جس نے انسانیت پر بے شمار احسانات کئے ہیں، اور علم وحکمت اور ایجاد واختراع کے میدانوں میں بہت فائدہ پہونچایا ہے، آپ حضرات تاریخ کا علمی اور تحقیقی مطالعہ کرنے والے ہیں آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یورپ نے صنعت وحرفت اور علوم وفنون میں جو طویل مسافت طے کی ہے، وہ ظن وتخمین اور اندازوں سے نہیں بلکہ اسی علم استقراء کی بدولت کی ہے۔

مومن، انسانیت کا اعلیٰ معیار

ایک مومن تو انسانیت کا اعلیٰ معیار اور مثالی نمونہ ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ عقل سلیم کا سب سے فائق ہو اور زندگی میں پیش آنے والے اور اپنے جیسے ہوئے یا جانے ہوئے واقعات وحوادث سے دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ سرعت کے ساتھ اس کا ذہن صحیح نتائج اخذ کرے اور اپنے آپ کو بار بار ایک ہی خطرہ کی زد پر نہ آنے دے، اسی وجہ سے حدیث شریف میں آیا ہے "لایلدغ المؤمن من جحر مرتین" (مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا) عقل وہوش والے کسی بھی انسان سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ ایک ہی سوراخ میں دوبارہ یا سہ بارہ ہاتھ ڈالے، لیکن مومن جو انسانیت کا اعلیٰ معیار ہے، جس میں انسانی صفات کے بہترین مظاہرے نظر آتے ہیں، تمام انسانی خوبیوں کے جلوے نظر آتے ہیں، اسی سے بدرجۂ اولیٰ اس کی توقع کی جانی چاہئے کہ وہ ایک دھوکہ کا بار بار شکار نہ ہو۔

منافق کی نفسیات

اور چونکہ ایک منافق کی نفسیات ایک مومن کی نفسیات کے بالکل خلاف اور اس کی ضد ہوتی ہے، اسی وجہ سے وہ حادثات اور اہم اور نتیجہ خیز واقعات سے بہت کم فائدہ اٹھاتا ہے، چنانچہ اللہ کا فرمان ہے "اولایرون انهم يفتنون فی کل عام مرة اومرتين ثم لايتوبون ولاهم يذكرون" (کیا وہ دیکھتے نہیں کہ وہ لوگ سال میں ایک بار یا دوبار آزمائے جاتے ہیں پھر بھی وہ توجہ نہیں کرتے اور نہ وہ سبق حاصل کرتے ہیں) دوسری جگہ ہے "کلما ردوالی الفتنة ارکسوا فيها"۔

منافق کی فطرت اور اس کی نفسیات مومن کی صحیح، سلیم اور بے داغ فطرت سے متضاد ہوتی ہے، ایمانی فطرت کا تقاضا ہے کہ حادثات سے عبرت حاصل کرکے ایک ہی خطرہ کا دوبارہ شکار نہ ہو، لیکن منافقین کی فطرت، فطرت سلیم کے برعکس ہوتی ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت بیان کی ہے کہ وہ مصائب الیموں، جھڑکیوں اور سخت سرزنش سے بھی متنبہ نہیں ہوتے، نہ

اس سے سبق حاصل کرتے ہیں، اور نہ ان بڑی بڑی غلطیوں سے ہی کچھ عبرت حاصل کرتے ہیں، جن کے نتیجہ میں بہت دنوں تک تلخ گھونٹ پینے پر مجبور ہوتے ہیں، اور پوری زندگی ان کی بڑی مہنگی قیمت ادا کرتے رہتے ہیں۔

فطرت سلیم کی خلاف ورزی

ایک فرد اگر اس فطرت سلیم کی خلاف ورزی کرتا رہے، اور تجربات کو ہمیشہ پس پشت ڈالتا رہے تو اس سے صرف ایک فرد کو نقصان پہونچے گا لیکن وہی فرد جتنا ممتاز مقام رکھتا ہے، اور اس کو اپنے ساتھیوں دوستوں اور اپنے معاشرہ کا جتنا اعتماد حاصل ہے، اسی قدر اس کو نقصان ہوگا، اور قوم اور نسل کا نقصان پوری قوم یا پوری نسل کو محیط ہوگا۔

حالیہ واقعات کا روشن پہلو

حالیہ واقعات جو کسی توضیح وتشریح یا کسی حاشیہ آرائی کے محتاج نہیں، ہم میں سے ہر ایک اس کو اچھی طرح جانتا ہے، اس کی تلخی کو محسوس کرتا ہے، اور ایک مسلمان کی حیثیت سے میں بھی آپ لوگوں کے تمام مصائب وتکلیفات میں شریک ہوں، ان حادثات کی اگر کوئی قیمت ہوسکتی ہے تو یہی کہ ہم ان سے سبق حاصل کریں اور ان سے صحیح، یقینی، صاف اور بے غبار نتائج اخذ کریں، یہ المناک حادثہ جس کی ہم نے اپنی عزت ووقار اور اپنے علاقہ سے بڑی سے بڑی قیمت ادا کی ہے، اس کا کوئی فائدہ ہوسکتا ہے اور اس میں کوئی روشن پہلو نکل سکتا ہے تو یہی کہ ہم اس سے عبرت، نصیب اور سبق حاصل کریں، میں اس کے اسباب کی تفصیل نہیں بیان کرنا چاہتا، نہ اس موضوع پر کوئی لمبی بات کرنا چاہتا ہوں، یہ بہت پامال اور مشہور ومعروف موضوع ہے، ممکن ہے اس سے اکتاہٹ پیدا ہوجائے۔

ان المناک حادثات کا سب سے پہلا نتیجہ جس کو اچھی طرح ذہن نشین کرلینا ضروری ہے یہ ہے کہ لادینی اور ملحدانہ قیادتیں ناکام ہوچکی ہیں۔

لادینی اور ملحدانہ قیادتیں ناکام

ان حادثات نے روز روشن کی طرح واضح کردیا ہے، جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی ہے کہ لادینی قیادتیں جو عربوں ومسلم اقوام وقبائل پر مسلط ہوگئی تھیں اپنے تجربہ میں ناکام ہوگئیں، اگر چہ میں اس کو تجربہ نہیں سمجھتا بلکہ یہ طے شدہ پروگرام، سوچے سمجھے منصوبے، دانستہ اور ارادی کارستانیوں اور سازشوں کا نتیجہ ہے۔

یہ قیادت صرف فلسطین کا مسئلہ حل کرنے ہی میں ناکام نہیں ہوئی ہے بلکہ اپنی قوم کی سلامتی کی حفاظت اور ملک کی عزت ووقار اور ان کے حدود کی حفاظت میں بھی ناکام رہی ہے۔

کہا جاسکتا ہے کہ ان ترقی پسندانہ نظریات پر مبنی قیادتوں کو کچھ رعایت ملنی چاہئے جو ترقی یافتہ، متمدن اور انقلابی عہد کے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگی کی کوشش کررہی ہیں، اور غیر مرئی اور غیبی عوامل کو تسلیم نہیں کرتیں بلکہ صرف موجود اور مرئی حقائق پر یقین واعتماد رکھتی ہیں، ان کو اس کا موقع ملنا چاہئے کہ وہ درپیش مسائل اور عرب قوم کی قیادت کے میدان میں اپنا کردار ادا کرسکیں---تو یہ بھی ہوچکا، اللہ نے ان کو میدان میں آنے اور اپنی صلاحیتوں کو آزمانے کا پورا پورا موقعہ دیا، دانا وبینا پروردگار کی اس میں بھی ایک حکمت ہے کہ یہ قیادتیں اپنے ترکش کا آخری بہترین، تیز ترین اور قوی ترین تیر بھی استعمال کرکے دیکھ لیں، اللہ کی مشیت یہ رہی کہ یہ قیادتیں ان تمام بہتر سے بہتر وسائل سے مستفید ہوں جن کا ذکر تاریخ کے کسی زمانہ میں بھی ملتا ہے، یا جن تک فکر انسانی کی رسائی ہوسکتی ہے، اور جن کا وجود روئے زمین پر ممکن ہے اور ان تمام اسلحہ سے مسلح ہوں جن سے روئے زمین کی کوئی بھی طاقت بہرہ ور رہی ہے، قدرت نے کسی چیز میں بخل نہیں کیا، ان کی آرزوؤں میں رکاوٹ نہیں ڈالی، رائے عامہ کی تشکیل، ادب وصحافت کے استعمال، اداروں کی تنظیم اور نظریات وخیالات کی ترویج واشاعت کے لیے ان کو جدید، بہتر اور مؤثر ذرائع ووسائل مہیا کئے گئے، اللہ کی حکمت بالغہ.....جس کی گہرائی اور گیرائی کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا.....کا تقاضا یہی تھا کہ وہ طاقتیں جو اپنے کو اس عہد کی قیادت کا اہل سمجھتی تھیں اور قوم کی رہنمائی کے دعوے دار تھیں اس زمانہ کی بہترین ایجادات واختراعات ان کی دسترس میں ہوں اور وہ ان کو استعمال کرکے بھی دیکھ لیں، قیادت کا میدان ان کے لیے خالی ہو اور بغیر کسی خطرہ یا رکاوٹ کے پورے ساز وسامان، ذہن ودماغ، اور اعلیٰ صلاحیتوں کے ساتھ ان کو اپنے جوہر دکھانے کا موقع ملے۔

لیکن اس کے باوجود ان کو انتہائی شرمناک شکست سے دوچار ہو.....مثال.....اگر انسانی تاریخ نہ کہا جائے تو بھی.....کم از کم مسلم تاریخ میں نہیں ملتی۔

عرب قوم اور مسلمانوں کے دامن پر بدنما داغ

آج کے وہ قائدین جنھوں نے عرب اقوام کے مسائل اور خاص طور سے مسئلہ فلسطین کو حل کرنے کا دعویٰ کیا تھا یہ انسانی تاریخ کے ناکام ترین قائدین میں ہیں، مشیت الٰہی نے انہیں سنہرا موقع دیا تھا، جو شاذ ونادر ہی کسی قائد کو ملتا ہے، ان کے لیے میدان بالکل خالی تھا، راہ کی ساری رکاوٹیں ختم ہوچکی تھیں، جن سے یہ گھبراتے تھے، وہ بھی میدان چھوڑ چکے تھے، لیکن نتیجہ کیا ہوا؟

انھوں نے عرب قوم کے دامن پر ایسا بدنما داغ لگادیا ہے، جسے سات سمندروں کا پانی بھی نہیں دھوسکتا، یہ صرف عرب ہی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے دامن پر بدنما داغ ہے۔

اس حادثہ کا یہ سب سے پہلا اور اہم سبق ہے، اسے فراموش نہیں کرنا چاہئے۔

(جاری)

فلسطین

یہودیوں کی خونخواری

تحریر: عبداللہ التل
ترجمانی: سید سلمان حسینی ندوی

یہودیوں کا ایک دینی ومذہبی رواج ہے جس کی تفصیلات رونگٹے کھڑے کردینے والی ہیں، وہ ہر سال اپنے ایسٹر (Ester) تہوار کے موقعہ پر کسی بھی غیر یہودی بچہ، جوان یا کسی بھی شخص کو مار کر اس کا تازہ خون نکال کر تہوار کی روٹی تیار کرنے کے لیے آٹا اس سے گوندھتے ہیں، اور اسے کھا کر تہوار مناتے ہیں!! آپ اس کو سن کر حیران وششدر ہوجائیں گے لیکن یہ ایک تاریخی اور ثابت شدہ حقیقت ہے، اور اسی مجرمانہ عادت کے انکشاف کی بناء پر مختلف دوروں میں ان کو یوروپ اور ایشیاء کے ملکوں سے بڑی نفرت اور بے دردی سے نکالا گیا، وہ اس سلسلہ میں اپنے جس قانون پر عمل کرتے ہیں، اسے "اکسوتاریک" (Eksoterik) کہا جاتا ہے، اور کچھ اعمال سحر اور شعبدہ بازی سے متعلق ہیں، اسے "اسوتاریک" (Esoterik) کہتے ہیں، انہیں خود اس کا اعتراف ہے۔

قدیم زمانہ سے یہودی جادوگر اور شعبدہ باز اپنے مذہبی مراسم اور سفلی عملیات کے لیے انسانی خون استعمال کرتے رہے ہیں، اس کا ذکر تورات میں بھی موجود ہے، سفر اشعیاء اصحاح ۵۷ میں ہے:

"اے جادوگرنی کی اولاد، فاسق اور زانی عورت کی ذریت، ادھر آؤ، تم کس کا مذاق اڑاتے ہو، کس کے سامنے منھ کھولتے ہو اور زبان نکالتے ہو، تم گناہ زادے ہو، جھوٹ وفریب کی نسل ہو، ہر سبز درخت کے نیچے تم بتوں کی طرف لپکتے ہو، وادیوں اور قلعوں کے دروازوں پر بچوں کو قتل کرتے ہو"۔

یہودی مورخ برنارڈ لازار (Bernard Lazare) نے اپنی کتاب "سامی مخالف" (L' Antisemitisme) میں لکھا ہے کہ بچوں کو ذبح کرنے کی عادت یہودی جادوگروں نے بچوں کا خون استعمال کرنے کے لیے شروع کی، وہ کہتا ہے:

"انسانی خون کے واقعات، قوم میں معروف ہیں، یہ قصہ کہانی نہیں ہیں، واقعہ یہ ہے کہ یہودی نوجوان جادو اور شعبدہ سے بڑی دلچسپی رکھتے ہیں، تلمود میں جادو اور شیطانوں کا تذکرہ بڑے پراسرار انداز میں کیا گیا ہے، یہ بات ان کے ہاں بالکل طبعی ہے کہ مذہبی رسومات میں خون کا استعمال کیا جاتا ہے، اس کا امکان ہے کہ یہودی جادوگروں نے غیر یہودی بچوں کو ان کے خون کا استعمال کرنے کے لیے ذبح کیا ہو، یہ واقعات اسی بنیاد پر مبنی ہیں"۔

ج۔ کیتو (Kitto) اپنی کتاب "مجموعہ کتاب مقدس" اشاعت ۱۸۹۵ء میں لکھتا ہے:

"ان کی محرابیں خون سے لت پت ہیں، جو عہد ابراہیمی سے مملکت اسرائیل ویہودا کے دور تک بہائے گئے"۔

ج۔ا۔ڈورسن (G.A. Dorsen) اپنی کتاب "تہذیب" (Civilization) میں لکھتا ہے:

"شہر قدس میں ان کے عبادت خانے بڑے مہیب اور خوفناک ہیں، ہندو جادوگروں سے بھی بڑھ کر، یہی وہ جگہیں ہیں جہاں انسان بھینٹ چڑھائے جاتے ہیں"۔

یہودی انسائیکلوپیڈیا ج:۸، ص:۶۵۳، اشاعت ۱۹۰۴ء میں لکھا گیا ہے:

"حکماء نے جو بنیاد فراہم کی ہے وہ انسانی قربانیوں کی ہے، جو خدا "یہوہ" انسانوں کے بادشاہ" کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں، اور جو یہودی بادشاہت کے آخری دور سے شروع ہوئیں۔

جرمن ڈاکٹر اریک بیسکوف نے (Dr. Erich Bischoff) جو یہودی تعلیمات وقوانین کے مطالعہ وتحقیق کے اسپیشلسٹ ہیں۔ ایک یہودی مصنف کی کتاب (Thkume Zohar) سے نقل کیا ہے۔

"Furthermore, there is a commendment pertianing to the killing of strangers, who are like beasts, This killing has to be done in the lawful beasts.This killing has to be done in the lawful method. Those who do not ascribe themselves to the Jeisish religions law must be offered up as sacrificcs to the high God."

"دین ومذہب کا یہ حکم ہے کہ غیروں کو قتل کیا جائے، ان کے اور جانوروں کے درمیان فرق نہیں ہے، یہ قتل شرعی طریقہ پر ہونا چاہئے، جو لوگ یہودی مذہب اور یہودی قانون کو نہیں مانتے، انہیں خدائے اعظم کے حضور بھینٹ چڑھادینا چاہئے"

سر رچرڈ برٹن (Sir Richard Burton) جنہوں نے (تلمود اور غیر یہودیوں کے بارے میں اس کا موقف) کے موضوع پر اپنا حاصل مطالعہ اپنی کتاب (یہودی، روشنی اور اسلام) میں پیش کیا ہے، اس کتاب کے ایڈیشن ۱۸۹۸ء میں صفحہ ۳۷ پر لکھتے ہیں:

"یہودی عقائد کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ غیر یہودی درندہ صفت جانور ہیں، ان کے حقوق کھیتوں میں چرنے والے جانوروں سے زیادہ نہیں ہیں"۔

یہی مصنف صفحہ ۸۱ پر لکھتا ہے:

"The talmud declares that there are tow kind of blood blessing to the lard, viz: That of the paschal holo caust. That of circume cision."

"تلمود کہتی ہے کہ ہمارے ہاں، خدا کو راضی کرنے کے دو موقع خون بہانے کے ہیں، ایک موقعہ انسانی خون کی گندھی ہوئی روٹیوں کی عید کا موقعہ، دوسرا ہمارے بچوں کے ختنہ کا موقعہ"۔

یہودیوں کے ہاں دو تہوار ایسے ہیں جن میں انسانی خون میں گندھے ہوئے آٹے کی روٹی کھائی جاتی ہے۔

۱۔ پوریم تہوار (Purim) دوسرا فصح تہوار (Passover) پہلا تہوار ہر سال مارچ میں ہوتا ہے، دوسرا تہوار عیسائیوں کے Easter تہوار کے موقعہ پر اپریل میں ہوتا ہے۔

"پوریم" تہوار میں بالغ جوانوں کو بھینٹ چڑھایا جاتا ہے، قربان شدہ جوان کا خون لے کر اس سے تہوار کی روٹی پکتی ہے، اور بقیہ خون اگلے سال کے لیے سکھا کر رکھ لیا جاتا ہے اور فصح تہوار میں وہ بچے بھینٹ چڑھائے جاتے ہیں جن کی عمر دس سال سے زیادہ نہ ہو۔

انسانی خون لینے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک لمبی ٹنکی قربانی کے قد کے برابر ہوتی ہے، اور اس کے اندر نیچے سے اوپر تک سوئیاں لگی ہوتی ہیں، قربانی یعنی کسی جوان یا بچہ کو اس ٹنکی میں کھڑا کر کے جسم میں سوئیاں چبھودی جاتی ہیں، سوئیوں کے ذریعہ سے یہ خون ٹنکی کے نچلے حصہ میں پہونچتا ہے، اور نیچے ایک ٹب میں جمع ہوتا ہے، اس جوان یا بچہ پر اس مجرمانہ عمل کے دوران تہوار منانے والے خونخوار خوش ہوتے ہیں، اور تہوار کی رنگ رلیاں مناتے ہیں۔

یا کبھی جانور کی طرح اس "قربانی" کو ذبح کر دیا جاتا ہے، اور کسی برتن میں خون لے لیا جاتا ہے، یا انسانی بھینٹ کی رگیں متعدد مقامات سے کاٹ دیجاتی ہیں، خون فوارے کی طرح نکلتا ہے، اسے کسی برتن میں اکٹھا کرلیا جاتا ہے، اور پھر اسے "حاخام" پادری کو دیا جاتا ہے، جو خون کے پیاسے یہودی خدا "یہوہ" کی رضا مندی کے لیے اس انسانی خون میں گندھی ہوئی مقدس روٹی تیار کرتا ہے، یہودیوں کا یہ تہوار اس کے بغیر مکمل ہی نہیں ہوتا، شروع میں اسی مقصد کے لیے یہودی کسی عیسائی لڑکے کا خون لیتے تھے، کیونکہ وہ ان کے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت اور بڑے دشمن تھے۔

مصنف دزرائیلی نے اپنی کتاب Life of Lord Geore Bentink 1857 میں اس کے بارے میں لکھا ہے:

"خدا کی یہ قوم طلحہ کافروں سے تعاون کرتی ہے، مال جمع کرنے کے ماہر کمیونسٹوں سے معاہدے کرتی ہے، یہ منتخب قوم، یورپ کے گرے پڑے انسانوں سے مصافحہ کرتی ہے اور یہ سب وہ "مسیحیت" کو تباہ کرنے کے لیے کرتی ہے"۔

بعد کے دور میں یہ کینہ پرور، مجرم، خونخوار بھیڑیے اسلام اور مسلمانوں کو بھی اپنا نشانہ بنانے لگے۔

انسانی خون لینے کی اہم وارداتیں:

یہودیوں کے غیر یہودیوں کو ذبح کرنے کے جتنے واقعات ہیں وہ ریکارڈ میں نہیں آسکے، کیونکہ یہ کارروائیاں نہایت رازداری کے ساتھ انجام دی جاتی رہیں، اکثر ملکوں کے ذمہ داروں کا تو ادھر ذہن بھی نہیں گیا، بے شمار مفقود بچوں کا کچھ اتہ پتہ نہ لگ سکا، اور یہ سمجھ لیا گیا کہ عام مافیا گروہوں کی یہ کارستانیاں ہیں۔

برطانوی مجاہد اور جرأتمند صاحب قلم "آرنلڈ لیز" نے پہلی مرتبہ اپنی ایک کتاب کے ذریعہ یہودیوں کے ان مجرمانہ واقعات اور خونچکاں حادثات پر سے پردہ ہٹایا، ان کی کتاب Jewish Ritual Murder اشاعت ۱۹۳۸ء نے تاریخی تسلسل کے ساتھ ان واقعات کو ریکارڈ کر کے دنیا کو حیران کر دیا، چند واقعات درج ذیل ہیں:

بتاریخ ۱۱۲۴ء ناروچ Norwish برطانیہ میں:

ایک ۱۲ سالہ بچے کی لاش ایک درخت کے نیچے پائی گئی، جس کا خون مختلف جگہوں پر کچوکے لگا کر نکالا گیا تھا، یہ واقعہ یہودیوں کے تہوار کے موقعہ پر پیش آیا تھا، اس کیس میں شہر کے میئر نے رشوت لے کر یہودیوں کو مقدمہ سے بچالے اور اس بچہ کو جسے بھینٹ چڑھایا گیا "سینٹ ولیم" کا نام دیا گیا۔

(جاری)

شیخ احمد یٰسین کی شہادت

"جسے جینا ہو مرنے کے لیے تیار ہو جائے"

از ..... نذر الحفیظ ندوی

[آج سے تین سال قبل اس دنیا نے ایک عجیب منظر دیکھا، ایک ایسا شخص جو چلنے پھرنے یہاں تک کہ کسی بھی قسم کی حرکت سے معذور، اس کو قتل کرنے کے لیے ملکی نہیں، بین الاقوامی پلاننگ کی گئی اور آخر کار دشمن کو کامیابی مل بھی گئی، ایک نہتا اور معذور شخص کے قتل کا کارنامہ ایسے ملک نے انجام دیا جس کا شمار طاقتور ممالک میں ہوتا ہے۔ جس مقصد کے لیے قتل کیا گیا تھا تین سال گزرنے کے بعد کیا دشمنوں کو ان مقاصد میں کامیابی مل گئی یا شیخ نے دلوں میں جو جذبہ موجزن کیا تھا وہ فروزاں ہوتا چلا گیا؟ درج ذیل مضمون میں شیخ کی آتشیں وصیت اور مجاہدانہ زندگی کا عکس جمیل پیش کیا گیا ہے۔]

شیخ احمد یاسین نے اپنی دعوتی زندگی کا آغاز تدریس اور تعلیم وتربیت سے کیا، اسکول میں پڑھانے کے بعد فلسطینی نوجوانوں کی ذہن سازی اور ان کی سیرت وکردار کی تشکیل کے لیے محض رضائے الٰہی کے لیے کو چنگ شروع کر دی، مساجد سے اس کو مربوط کر دیا، دوسری طرف انہی نوجوانوں کو انہوں نے اصلاح معاشرہ کے کام میں لگا دیا۔

شیخ کی اصلاحی جدوجہد اور فلسطینی معاشرہ پر شیخ کے گہرے اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے قریبی معتمد اور معاون شیخ زیاد کہتے ہیں کہ ہزاروں مقدمات جو برسوں سے عدالتوں میں باہمی نزاع کے چل رہے تھے شیخ کی وجہ سے لوگوں نے اٹھا لیے اور شیخ کی بنائی ہوئی اصلاحی کمیٹی کے فیصلوں کو خوش دلی سے قبول کر لیا، عوام وخواص سب کو شیخ کے عدل وانصاف کا مکمل بھروسہ تھا، شیخ کے بڑے کارناموں میں سے ایک اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے شیخ نے فلسطینیوں کا رخ دین کی طرف پھیر دیا، ان کے باہمی تنازعات طے کرانے کے لیے اصلاحی کمیٹیاں بنا دیں، شیخ حماس کی قیادت میں قلب کی حیثیت رکھتے تھے، مگر سماجی اور دینی پہلوؤں کو وہ بنیادی اہمیت دیتے تھے، سیاسی پہلوؤں پر بھی ان کی عقابی نظر تھی، وہ ہمیشہ سیاسی بیانات دینے میں بڑے محتاط تھے، اعتدال وتوازن کا خاص لحاظ رکھتے تھے۔

شیخ کا گھر ہر وقت کھلا رہتا، کوئی بھی شخص کسی وقت آسکتا تھا، شیخ سے ملنے پر کوئی پابندی نہ تھی کمزوروں، بیواؤں اور یتیموں کی خبر گیری کو اولین اہمیت دیتے اور بڑے اہتمام اور دلچسپی سے مسائل ومشکلات کو حل کرتے، صرف مسلمانوں ہی کے ساتھ معاملہ خاص نہ تھا بلکہ عیسائی بھی شیخ پر بڑا اعتماد کرتے۔

رام اللہ شہر کے بسام رباح (عیسائی) کا کہنا ہے کہ ۱۹۸۸ء میں ایک فلسطینی نے دھوکہ سے ہمارا مال لے لیا، اس نے جب ادائیگی میں ٹال مٹول کیا تو میں بلا تکلف شیخ کے پاس گیا، مجھے یقین تھا کہ شیخ اس فلسطینی سے ہماری رقم دلوا دیں گے، وہ بڑا دولتمند بھی تھا، پھر یہی ہوا کہ لاکھوں کی رقم چند گھنٹے میں مل گئی، ہم نے شکریہ اور احسان مندی کے جذبہ سے اس میں سے ایک رقم غزہ میں مسجد کی تعمیر کے لیے دیدی۔

شیخ زیاد کہتے ہیں یہ ایک بار رمضان المبارک میں ہم لوگ تھکے ماندے افطار کے انتظار میں بیٹھے تھے کہ عین اذان کے وقت ایک شخص پریشان حال آیا، ہم نے کہا کہ تراویح کے بعد آنا، شیخ نے مجھے تیز نگاہوں سے دیکھا، فرمایا زیاد! تم تھک گئے ہو، گھر جا کر آرام کرو، پھر شیخ نے ایک گھنٹہ تک اطمینان سے اس کے مسائل سنے اور اسی وقت حل بھی کر دیا، اس کو کھانا کھلا کر رخصت کرنے کے بعد شیخ نے فرمایا کہ دعوت کا کام اس طرح ہوتا ہے، فرمایا کہ جب تم داعی ہو اور اسلام کا پیغام پہونچانا ہے تو تم کو ایک مثالی انسان بننا ہوگا۔

دوسرا واقعہ شیخ کے معتمد نے یہ بیان کیا کہ ایک دولت مند شخص نے ایک خاتون سے نکاح کر کے اس کے سارے زیورات ہڑپ کر لیے، اس کو زدوکوب بھی کیا اور گھر سے نکال دیا، وہ شیخ کے پاس آئی، تو بذات خود وہیل چیئر پر شیخ اس شخص کے پاس گئے، وہ یہ دیکھ کر گھبرا گیا، شیخ نے فرمایا کہ یہ میری بیٹی ہے، اس کے ساتھ انصاف کرو اور کبھی ظلم نہ کرو، وہ شخص بہت متاثر ہوا اور شیخ کے نیاز مندوں میں ہو گیا۔

شیخ زیاد کہتے ہیں کہ اسرائیلی شیخ یاسین کی غیر معمولی اہمیت سے خوب واقف تھے، انہیں اچھی طرح اندازہ تھا کہ شیخ جیسا مخلص قائد فلسطینیوں ہی کو نہیں پورے عالم عربی کو نہیں ملا ہے، انکو معلوم تھا کہ شیخ نے منتشر فلسطینیوں کے شیرازہ کو یکجا کر دیا ہے اور وہ سب ان کے چشم وابرو کے اشارے پر جانیں قربان کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں اور کسی قیمت پر سودے بازی نہیں کرتے، زیاد کہتے ہیں کہ ایک بار اسرائیلی خفیہ پولیس نے مجھے بلوایا اور کہا کہ تمہارا حماس سے تعلق ہے، میں نے جواب دیا کہ میں صرف لوگوں کی مشکلات

اور مسائل کو حل کرتا ہوں، ان میں اختلاف ہوتا ہے تو ان کے درمیان صلح کرا دیتا ہوں..... اس اسرائیلی افسر نے کہا کہ یہ صحیح نہیں ہے، تم لوگ پورے فلسطینی معاشرہ پر چھائے ہوئے ہو، تمہاری جڑیں بہت گہری اور دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں، یہ قوت تم کہاں سے حاصل کرتے ہو میں نے کہا قرآن مجید سے۔

دونیم ان کی ٹھوکر سے صحراء ودریا

شیخ کی آخری وصیت

حماس کے ایک ممتاز قائد شیخ اسماعیل نے انکشاف کیا کہ شیخ یاسین نے آخری گفتگو میں فرمایا کہ ہم نے فلسطینیوں کے مختلف گروپوں کے درمیان مصالحت کا جو منصوبہ بنا رکھا ہے اس کو آخری مرحلے تک پہونچانا ہے، آخری شب انھوں نے نوجوانوں کے ساتھ مسجد میں گزاری، ان کے ساتھ فلسطینی جوان تھے جو شیخ کی نصیحتوں کو بڑے انہماک اور احترام وتوجہ سے سن رہے تھے۔

آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

اپنی شہادت سے چند ماہ قبل شیخ شہید احمد یاسین نے عرب حکام اور قائدین کو ایک طویل ٹیلیگرام بھیجا تھا جس میں انھوں نے مسئلہ فلسطین کے بارے میں ان کی مجرمانہ غفلت اور اس کے دور رس سنگین نتائج سے خبردار کیا تھا لیکن کون سنتا ہے فغان درویش۔

"آپ نے کبھی اس بات پر غور کرنے کی زحمت بھی گوارا کی کہ آپ کن حالات سے گزر رہے ہیں، میرا تو یہ حال ہے کہ میں ایسا بوڑھا، عاجز و درماندہ اور کمزور وناتواں اور مفلوج ہوں کہ قلم تک مرے ہاتھ پکڑ نہیں سکتے چہ جائیکہ اسلحہ اٹھائے، نہ میں شعلہ نواں خطیب اور مقرر ہوں کہ میری آواز ہر سمت گونجتی رہے، میں وہ انسان ہوں جس کو امراض نے توڑ کر رکھ دیا ہے، میرے بال سفید ہو چکے ہیں اور عمر کی آخری منزل میں ہوں، میرے اندر اتنی سکت نہیں کہ بغیر کسی کا سہارا لئے ہوئے اپنی خاص ضرورتیں بھی پوری کر سکوں، لیکن اے عربو! کیا تم بھی میری طرح عاجز و درماندہ اور خستہ وناتواں ہو، پامردی اور زندگی سے محروم؟ ہم پر مصائب کے جو پہاڑ توڑے جا رہے ہیں، کیا یہ المناک سانحہ نہیں ہے کہ تمہارے دل کو وہ ذرا بھی متاثر نہیں کرتے؟ صورت حال تو یہ ہے کہ محض رضائے الٰہی کیلئے کوئی شخص بھی اٹھنے کیلئے تو کیا بولنے تک کیلئے تیار نہیں، اور نہ امت کی عزت وخودداری پر آنچ آتے دیکھ کر تم میں ذرہ برابر غیرت وحمیت پیدا ہوتی ہے، جو لوگ ہم کو نشانہ بنا رہے ہیں ان دشمنان خدا پر حملہ کرنا تو دور کی بات اسکے برعکس ہم مظلوموں کو قاتل اور دہشت گرد قرار دیا جا رہا ہے، کیا امت کو اس وقت بھی شرم نہیں آتی جب اس کی عزت وشرافت اور اپنی مقدسات پر حملے کئے جا رہے ہوں۔ ہم مظلوموں کے لیے آنسو کا ایک قطرہ بھی بہانے کے لیے تیار نہیں، ہمارے کاندھوں پر تسکین وتسلی کے لیے ہاتھ رکھنا بھی آپ کو گوارا نہیں، کیا عرب ملکوں کی حکومتیں سرکاری، تنظیمیں، ادارے، انجمنیں، جماعتیں اور شخصیتیں اللہ کے لیے بھی اپنے غیظ وغضب ظاہر نہیں کر سکتیں، کم سے کم یہ ہوتا کہ سب مل کر مظاہرے کرتے اور ایک زبان ہو کر آواز لگاتے کہ اے اللہ ہماری صفوں کو متحد فرما، ہماری کمزوریوں کو دور فرما اپنے مومن بندوں کی مدد اور نصرت فرما۔ کیا آپ کے پاس کہنے کے لیے یہ الفاظ بھی نہیں۔ آپ ہمارے لیے دعا بھی نہیں کر سکتے اس سے بھی آپ گئے گزرے ہو گئے؟ (واضح رہے کہ فجر کی نمازوں میں قنوت نازلہ کے اندر دشمنان خدا کیلئے بددعا کرنے سے بھی عرب حکام نے اپنے مساجد کو روک دیا اور علماء کرام نے اس کے مطابق فتوے دیئے"۔

یاد رکھئے آپ لوگ بہت جلد سن لیں گے کہ ہماری مجاہدین نے اپنے رب کے حضور جان کے نذرانے پیش کئے لیکن کس حالت میں ہم ایسی حالت میں جان دیں گے کہ ہماری پیشانی پر لکھا ہوگا۔

ایک جان کا زیاں سوا ایسا زیاں نہیں

ہم نے دشمنوں کے مقابلے میں پیٹھ نہیں پھیرا، ہم شہید ہوئے تو ہمارے ساتھ ہمارے کمسن اور معصوم بچے بھی تھے، ہماری مائیں اور بہنیں اور بیٹیاں بھی تھیں، ہمارے بوڑھے بھی تھے اور جوان بھی، ہم ان سب کو ایک ایسی قوم کے لیے ایندھن بنا دیا جو غفلت اور جمود وتعطل کا شکار ہو چکی تھی۔

آپ ہم سے یہ امید نہ رکھئے کہ ہم دشمنوں کیسامنے ہتھیار ڈال دیں گے یا سفید پرچم لہرا دیں گے اس لیے کہ ہم نے مرنا سیکھا ہے قرارداد اور تجاویز پاس کرنا ہم کو نہیں آتا ہم اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ ہم بہت جلد مر جائیں گے اگر ایسا ہو جائے تو آپ سے صرف یہی گزارش ہے آپ ہمیں اپنے حال پر چھوڑ دیں کہ کم از کم مجاہد کی طرح ہم عزت وآبرو کے ساتھ اس دنیا سے سرخرو ہو کر جائیں۔

اگر آپ ہمارا ساتھ دینا چاہتے ہیں تو آسکتے ہیں ایسی صورت میں آپ میں سے ہر ایک کا یہ فرض ہوگا کہ وہ دشمنوں سے انتقام لے یا راہ خدا میں شہادت کا خلعت پہن لے۔

آپ یہ بھی کر سکتے ہیں کہ ہماری موت کا تماشا دیکھیں اور توفیق ہو جائے تو دعائے خیر میں یاد رکھیں لیکن ہم کو پورا یقین ہے کہ آج نہیں تو کل وہ دن آئے گا جب اللہ اپنی امانت میں خیانت کرنے والوں سے پورا انتقام لے گا، جن لوگوں نے امت کے حق میں مجرمانہ کوتاہی کی ہے ان کو بھی اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب کا نشانہ بننا پڑے گا، ہماری آپ سے صرف یہ گزارش ہے کہ ہمارے خلاف آپ کوئی قدم نہ اٹھائیں، ہم آپ کو قسم دلاتے ہیں کہ ہمارے خلاف ظلم وزیادتی سے کام نہ لیں، حکام سے بھی یہی درخواست ہے اور رہنماؤں سے بھی۔

اے میرے اللہ، اے میرے پروردگار صرف تجھی سے شکایت ہے، تجھی سے میں اپنی کمزوری، ناتوانی، عاجزی، بے تدبیری، بے سروسامانی اور ذلت وخواری کا شکوہ کرتا ہوں میرے مالک تو ہی ہم کمزوروں کا سہارا ہے، تو ہمیں کس کے سپرد کرتا ہے، کسی ایسے دور دراز شخص کے جو ہمارے ساتھ ترش روئی سے پیش آئے یا کسی ایسے دشمن کے سپرد کر رہا ہے جس کو تو نے ہمارے معاملات کا اختیار دے رکھا ہے، اے ارحم الراحمین تو ہی کمزوروں کا رب ہے تجھی سے شکوہ ہے کتنے خون تیری راہ میں بہائے گئے ہیں، عفیف وپاک دامن

خواتین کی عزت لوٹی گئی، بچے بچیاں یتیم وبے سہارا ہو گئیں، عورتیں بیوہ ہو گئیں، مائیں اپنے بچوں سے محروم ہوئے، آباد گھر بلڈوزروں سے مسمار کر دیئے گئے، ہرے بھرے اور سرسبز وشاداب کھیت جلا دیئے گئے، اے میرے پروردگار تجھ سے اور صرف تجھ سے ہی شکوہ ہے، ہماری صفوں میں سخت انتشار اور انارکی ہے، ہماری جماعتوں میں اتحاد نہیں۔

صفیں کج دل پریشاں سجدہ بے ذوق
کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے

ہم ایک قوم وملت ہیں لیکن ہمارے راستے الگ الگ ہیں اختلاف نے گھن کی طرح اندر سے ہمیں کھا لیا، یہ امت عاجز ودرماندہ، ناتواں اور کمزور ہے اس کا شیرازہ بکھر چکا ہے، ہمارے دشمن ہم پر غالب آرہے ہیں ﴿انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ﴾۔

خون شہیداں رنگ لائیگا ضرور

﴿من المومنین رجال صدقوا ماعاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضیٰ نحبہ ومنھم من ینتظر ومابدلوا تبدیلاً﴾ وقت کے سب سے بڑے مجاہد شیخ احمد یٰسین نے اپنی پورے زندگی دعوت اور جہاد کے لیے وقف کر رکھی تھی وہ صرف اس لیے زندہ رہے کہ اپنے ملک ووطن کو صیہونی ظالموں اور غاصبوں کے پنجے سے آزاد کرا سکیں اس عظیم اور بلند مقصد کے لیے انھوں نے جہادی تحریک حماس کی بنیاد رکھی اس راہ میں انہیں قید وبند کی دشواریوں اور دار ورسن سے بھی گزرنا پڑا لیکن اس مرد مجاہد نے یہ زمانہ پورے صبر وضبط، استقرار وپامردی اور ثابت قدمی سے گزارا ان کے پائے ثبات کسی مرحلے میں بھی ادنیٰ لغزش یا کمزوری ونرمی نہیں آئی، انھوں نے روز اول ہی سے نصب العین کو طے کر لیا تھا کہ ہر قیمت پر غاصبوں سے اس ملک کو آزاد کرنا، پوری قوت اور جرأت سے ان پر وار کرنا کہ یہ ظالم وغاصب اس ملک سے نکل جائیں اور ہر قیمت پر فلسطینی بھائیوں کی جان، مال اور عزت وآبرو کی حفاظت کرنا۔

یہ انسان بڑا عظیم اور غیر معمولی قوت وتاثیر کا مالک تھا حالانکہ وہ جسمانی اعتبار سے مفلوج تھا کہ خود سے وہیل چیر کو بھی حرکت میں نہیں لاسکتا تھا، جب تک کہ کوئی معاون نہ ہو، مگر اس کی ایک آواز پر لاکھوں لوگوں کے اندر حرکت پیدا ہو جاتی تھی، اس مرد خدا کا نام سن کر باطل کے ایوانوں میں زلزلہ آجاتا تھا، بڑے بڑے اسرائیلی جنرل اور وزراء اس کا نام سن کر تھراتے اور کانپنے لگتے تھے اس کی طاقت کا راز اس ایمان میں پوشیدہ تھا جو کمزوروں اور بے سہاروں کو پہاڑوں سے زیادہ استقلال وثابت قدمی عطا کرتا ہے۔

اسرائیل نے تحریک انتفاضہ کو ختم کرنے کے لیے بڑے پیمانے پر فلسطینیوں کا قتل عام کیا، بچوں اور عورتوں کو نشانہ بنایا، ان کے گھروں کو بلڈوزر سے مسمار کیا، سرسبز وشاداب کھیتوں اور باغات کو جلا دیا، اس نے لبنان میں ابو یوسف نجار اور ان کے رفقاء کا قتل کیا، ٹونس میں ابو جہاد اور ابو یاد کو تہ تیغ کیا، فلسطین کی سرزمین پر یحییٰ عیاش، فتحی الشقاقی، ابوعلی مصطفیٰ، صلاح الدین، ابو اسماعیل ابوشنب اور اردن میں عزالدین قسام کو قتل کیا اور نہ معلوم کتنے مجاہدین کو اس نے شہید کر دیا، لیکن

بڑھتا ہے اور ذوق گنہ یاں سزا کے بعد

تحریک جہاد میں مجاہدین کے پاس خون سے زندگی اور قوت پیدا ہوتی رہی، ان میں پہلے سے کہیں زیادہ جہاد کا جذبہ کمسن بچوں اور نوجوانوں، لڑکیوں تک میں پیدا ہو چکا ہے، نوجوانوں کے سروں میں شہادت کا سودا سمایا ہوا ہے اور سرفروشی کی تمنا انگڑائی لے رہی ہے..... ایسا کیوں نہ ہو کہ مسلمان کسی فرد یا کسی شخصیت کے لیے جہاد نہیں کرتا بلکہ وہ ایک متعین اور واضح نصب العین اور اصول وعقیدہ کے لیے جان دیتا ہے، اسی لیے اسلامی تاریخ کے ہر دور میں انبیائے کرام اور ربانی وحقانی علماء نے جہاد کیا اور کسی مرحلے میں سنگین ترین حالات میں بھی انہوں نے ادنیٰ کمزوری نہیں دکھائی انہوں نے ہمیشہ پامردی اور جان فروشی سے کام لیا، بلکہ شہادت کی جاں فزا خبر سن کر ان کو اپنا سر بوجھ دوش معلوم ہونے لگا۔

جان کی قیمت دیار عشق میں ہے کوئے دوست
اس نوید جاں فزا سے سر وبال دوش ہے

فلسطینیوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت عطا فرمائی ہے کہ ان میں پیدائش کا تناسب دنیا کی تمام دیگر قوموں سے زیادہ ہے، ایک شخص اگر مرتا ہے تو اس کی جگہ دس پیدا ہو جاتا ہے، جہاد کا پرچم ان کے ہاتھوں سے کبھی گرتا نہیں، قدیم عرب شاعر نے صدیوں پہلے اسی خصوصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"اگر ہم میں کوئی سردار مر جاتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے، شرفاء اور مردان کار کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جو کہتے ہیں وہی کر گزرتے ہیں"۔

اسرائیل مسلسل ظلم وسفاکی اور بربریت کا مرتکب ہو رہا ہے، انسانوں، کمسن بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور معذوروں کے علاوہ سرسبز وشاداب باغات اور آباد کھیتوں کو بھی جلانے سے باز نہیں آتا، گھروں کو بلڈوزروں سے مسمار کرنے سے نہیں چوکتا، بندوق کی گولیوں اور سنگینوں کے نوک پر زمینوں کو ہڑپ کر لیتا ہے، اس کا آخری بھیانک اور سنگین ترین جرم یہ ہے کہ اس نے ایک مفلوج ومشلول اور کمزور ترین انسان کا قتل ناحق کیا، اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ظالم کا ظلم حد سے تجاوز کر گیا ہے، یہ اس بات کی کھلی علامت ہے سرکشوں اور ظالموں کا خاتمہ اب قریب ہے ﴿فلما نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیھم ابواب کل شئی، حتی اذا فرحوا بما اوتوا اخذناھم بغتۃ فاذاھم مبلسون، فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمد للہ رب العالمین﴾

اس سے حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسرائیل کے ساتھ امن مذاکرات کا کوئی فائدہ نہیں وہ صرف اور صرف طاقت کی زبان سمجھتا ہے، ہم پچاس سال سے اس کا تجربہ کر رہے ہیں کہ جو چیز بزور قوت لی جاتی ہے وہ قوت ہی کے بل پر واپس لی جاتی ہے نہ کہ تمناؤں اور سنہرے خوابوں سے..... اب جہاد کے سوا ہمارے سامنے کوئی دوسرا راستہ نہیں۔

اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ فلسطینیوں کے تمام

بازوؤں کو دشمنوں کے مقابلہ میں سیسہ پلائی دیوار بن جانا چاہئے، ہمارا دشمن اتنا کمینہ، خسیس اور بدفطرت ہے کہ وہ ہم مسلمانوں کے وجود ہی کو ختم کرنے پر کمربستہ ہے۔

ایک سبق عربوں کو ملتا ہے کہ انہیں اب ہوش میں آنا چاہئے، انہیں یہ حقیقت سمجھ لینا چاہئے کہ اب شتر مرغ کی طرح ریت میں سر چھپا کر حقائق کو ٹالا نہیں جاسکتا ہے، وہ اپنے غاروں سے نکل آئیں اور اپنے اسلحہ اور مال سے فلسطینی بھائیوں کی مدد کریں ورنہ زمانہ بڑا بے رحم ہے وہ کسی کو معاف نہیں کرتا اب الگ تھلگ بیٹھ تماشہ دیکھنے کا وقت نہیں رہا۔

یہ کتنی تلخ حقیقت ہے کہ ۱۹۴۸ء میں عرب لیگ نے فلسطین کے قضیہ میں سرگرم دفاعی کردار ادا کیا تھا جب کہ اس کے قیام کو محض تین سال ہوئے تھے اور ان کے ارکان کی تعداد سات تھی، اب پچاس سال بعد جب کہ ان کے ارکان کی تعداد بیس ہوچکی ہے، دولت اور اسلحہ سے بھی وہ مالا مال ہیں، انھوں نے اپنے فلسطینی بھائیوں کو تن تنہا میدان جنگ میں چھوڑ دیا ہے، وہ گولیاں کھا رہے ہیں اور عرب اپنے ایرکنڈیشنڈ کمروں میں بیٹھے زبانی جمع خرچ سے بھی گریز کر رہے ہیں۔

اس واقعہ سے سبق عالم اسلام اور پوری امت مسلمہ کو ملتا ہے، کہ بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ آپ کو دن رات میں پانچوں وقت پکارتا ہے، جب مسجدوں کے میناروں سے اذان کی آواز بلند ہوتی ہے یہ پکار ہم کو ہمارے فرائض یاد دلاتی ہے کہ یہ سرزمین ہمارا قبلہ اول رہا ہے، یہیں سے ہمارے آخری نبی معراج کے سفر پر تشریف لے گئے تھے، یہ بابرکت سرزمین ہے، یہ آواز ہمیں یاد دلاتی ہے کہ جب صلیبیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کرلیا تھا تو اس قبضہ کو ختم کرنے کے لیے عمادالدین زنگی، نورالدین زنگی، سلطان صلاح الدین ایوبی اور ظاہر عبرس نے بلالحاظ مسلک وملک اور قومیت کے متحد ہوکر بیت المقدس کو آزاد کرانے میں تن من دھن سے حصہ لیا اور سب سیسہ پلائی دیوار بن گئے، آج بھی ہمیں یہ پیغام ملتا ہے کہ ہم سب اپنی صفوں کو متحد کریں، پوری دنیا میں احتجاجی مظاہرے کریں، احتجاجی ٹیلگرام تمام ملکوں کے سربراہوں کو بھیجیں۔

ہم تمام عرب اور اسلامی دنیا کے تمام مسلمانوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے فلسطینی بھائیوں کی جدوجہد میں دامے، درمے، قدمے سخنے مدد کریں، ہمارے لیے حرام اور ناجائز ہے کہ ہم شکم سیر ہوکر کھائیں، میٹھی نیند سوئیں اور ہمارے فلسطینی بھائیوں کو روٹی کا ایک ٹکڑا نصیب نہ ہو، ان کے بچے اور عورتیں قتل کئے جائیں، ان کے گھر مسمار کئے جائیں اور ہم زبانی ہمدردی سے بھی گئے گزرے ہوگئے۔

آخری سبق کا تعلق آزاد دنیا کے شریف انسانوں سے ہے، ان تمام انسانوں سے جنھوں نے عراق کے خلاف امریکی وبرطانوی یورش کے خلاف زبردست مظاہرے کئے اور لاکھوں کی تعداد میں انھوں نے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا، اسی طرح ہم اقوام متحدہ، سلامتی کونسل انسانی حقوق کی تنظیموں اور بین الاقوامی عدالت سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ عدل وانصاف کے تقاضے پورے کریں، اور صیہونیوں کو چنگیزیت اور بربریت سے روکنے کی کوشش کریں۔

آخر میں ہم صیہونیوں سے ایک بات کہنا چاہتے ہیں، وہ یہ کہ تم نے جو جرم کیا ہے اس کو کوئی معاف نہیں کرسکتا، لیکن اس بھیانک جرم کے اندر ہمیں امید کی کرن دکھائی دیتی ہے، شر سے بھی خیر پیدا ہوتا ہے، جو دوسروں کے لیے کنواں کھودتا ہے وہ خود اس میں گرتا ہے، آج کے ساتھ کل لگا ہوا ہے اللہ تعالیٰ ظالموں کو اتنا موقع دیتا ہے کہ وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اب ہم اس کی گرفت سے باہر ہوگئے، لیکن وہ پھر ایسا پکڑتا ہے کہ اس کے قبضے سے نکل جانا ممکن نہیں ہوتا، ہر چیز کی انتہا ہوتی ہے، اب نئے دور کا آغاز ہے، یہ صدی ظالموں اور غاصبوں کے چنگل سے آزادی کی صدی ہے۔

☆☆☆☆☆

(بقیہ صفحہ:۹ کا)

جو اس علم آسمانی سے بے بہرہ ہے وہ مبدأ انسانی کی تلاش میں سرگرداں ہے، ظاہری وسائل وآلات کی مدد سے وہ یہاں تک پہونچا کہ انسان کی اصل آبی کیڑوں کی شکل میں تھی پھر وہ خشکی کا جانور بنا پھر ترقی کرتے کرتے اس شکل انسانی تک اس نے رسائی حاصل کی۔

اس علم کی بنیاد صرف اس تجربہ پر ہے کہ کوئی بھی چیز ایک دم سے وجود میں نہیں آتی اپنے کمال تک پہونچنے میں اس کو وقت لگتا ہے، انسان کے بارے میں بھی انھوں نے یہی تصور قائم کرلیا، لیکن وہ یہ بھول گئے کہ ایک ذات ان تمام محسوسات سے ماورا ہے، نظام عالم اس کا قائم کیا ہوا ہے، ہر چیز اسی کے قائم کئے ہوئے نظام سے مربوط ہے، لیکن وہ جو چاہے کرے، آدم کو اس نے بغیر ماں باپ کے پیدا کیا، حواء کو ماں کی ضرورت نہ پڑی اور عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کرکے اس نے یہ بتادیا کہ وہ خود اس نظام کا پابند نہیں ہے، ﴿اذا أراد شیئاً أن یقول له کن فیکون﴾ جس چیز کا ارادہ کرلے وہ حکم کن ہے وجود میں آجاتی ہے۔

یہ وہ علم ہے جس کو غیب کا علم کہتے ہیں اس کا مصدر صرف وحی الٰہی ہے جو حضرات انبیاء کے ساتھ خاص ہے، آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اس کا اختتام ہوچکا اس لیے اب اس علم کا سرچشمہ صرف ذات نبوی ہے، تمام تحقیقات وتجربات اگر علم نبوی کی روشنی میں کئے جائیں تو یقیناً سفر مختصر ہوسکتا ہے، اور انسان ہزار ٹھوکروں سے بچ سکتا ہے، اس میں دعوت ہے ان لوگوں کے لیے جن کو وقت کی قیمت کا احساس ہے، تعصب وتنگ نظری کی عینک اتار کر کھلی آنکھوں سے اگر وہ ان حقائق پر غور کریں تو آج بھی متعدد علوم کی بنیادیں ہاتھ آسکتی ہیں اور ایسے سرے دریافت ہوسکتے ہیں جن کے ذریعہ سے ترقی کی راہیں کھل سکتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

مملکت اسرائیل کیسے قائم ہوئی؟

از.....سلمان نسیم ندوی

اسرائیل کے قیام کی پوری مدت کو مختصر ترین لفظوں میں بیان کیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) اور دوسری جنگ عظیم کے اختتام یعنی (۱۹۴۸ء) کے دوران اسرائیل کی تخلیق ہوئی، لیکن اگر تفصیلات پر نظر کی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ:

☆۲ر نومبر ۱۹۱۷ء: برطانوی وزیر خارجہ آرتھر جیمس بالفور نے اعلان کیا کہ برطانیہ فلسطین میں یہودی ریاست کے حق میں ہے، واضح رہے کہ آج مشرق وسطی میں جو کچھ ہورہا ہے وہ اسی بالفور منشور کا کرشمہ ہے، جس کا اعتراف بعض منصف انگریز مصنفوں نے بھی کیا ہے، اس اعتبار سے یہ منشور اسرائیلی ریاست کی تخلیق میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

☆۸ر جنوری ۱۹۱۸ء: امریکی صدر ولسن نے امریکی کانگریس کے سامنے فلسطین میں اپنی تحقیقاتی ٹیم کے ۱۴ نکات کو یہ کہتے ہوئے پیش کیا کہ فلسطین میں صیہونی پلان یعنی بالفور منشور کی تنفیذ جنگ اور کشت وخوں کے بغیر ناممکن الحصول ہے، گویا یہ اس طرف اشارہ تھا کہ اس منشور کی تنفیذ کے لئے فلسطینیوں کی لاشوں پر سے گذرنا ہوگا، تاریخ نے اس تجزیہ کو ثابت کیا۔

☆۱۹۱۹ء: پہلی جنگ عظیم کے بعد منعقد ہونے والی پیرس کانفرنس میں صیہونی قوت نے پورا زور لگایا کہ بالفور منشور کو عالمی پیمانہ پر تسلیم کرلیا جائے۔

☆فروری ۱۹۱۹ء: پہلی جنگ عظیم کی اتحادی قوتوں نے صیہونت کو فلسطین کے مستقبل کے پلان کی وضاحت کے لئے ایک کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی۔

☆۲۵ر اپریل ۱۹۲۰ء: سان ریمو (SAN REMO) میں کونسل نے یہ طے کیا کہ فلسطین میں برطانوی انتداب قائم کردیا جائے۔

☆۲۴ر جولائی ۱۹۲۲ء: لیگ آف نیشنز کی کونسل نے فلسطین کو برطانیہ کے حوالہ کردیا، لیکن ترکی (خلافت عثمانیہ) نے اس کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔

☆۱۰ر اگست ۱۹۲۲ء: معاہدۂ سیوری (TREATY OFSEVRES) میں ترکی کو مجبور کیا گیا کہ وہ عرب صوبوں سے دستبرداری کا اعلان کرے، جس کو ترکی کی قومی اسمبلی نے مسترد کردیا۔

☆۲۴ر جولائی ۱۹۲۳ء: معاہدہ لوزانا (TREATOF LAUSANNE) میں اتحادی دباؤ کی وجہ سے ترکی کو عرب صوبوں سے دستبردار ہونا پڑا، لیکن ترکی نے اب بھی بالفور منشور کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔

☆۲۹ر ستمبر ۱۹۲۳ء: فلسطین پر برطانوی انتداب کا نفاذ ہوا، بالفور منشور کے اعلان کے بعد مملکت اسرائیل کے قیام کی طرف یہ دوسری اہم پیش رفت تھی، اس لئے کہ برطانوی انتداب کے زمانہ ہی میں فلسطین میں یہودیوں کو لاکر بسایا گیا، برطانیہ فلسطین پر اپنی نگرانی کے لئے اس وقت سے نچلین تھا جب پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ پر مفتوحہ علاقوں کے بٹوارہ اور نگرانی کے لئے اتحادیوں کی ایک خود غرض اور مفاد پرست نام نہاد جمعیت لیگ آف نیشنز وجود میں آئی تھی جس کا مورث اعلیٰ خود برطانیہ تھا۔

☆دسمبر ۱۹۳۲ء: فلسطین میں تیس ہزار یہودیوں کو لاکر بسایا گیا۔ ۱۹۳۴ء میں بیالیس ہزار، ۱۹۳۵ء میں اکسٹھ ہزار یہودی لاکر بسائے گئے۔

☆۱۹۳۵ء: عربوں نے فلسطین میں یہودیوں کی آبادی پر احتجاج کیا اور داخلہ پر پابندی کا مطالبہ کیا، لیکن عرب دشمن برطانیہ نے سنی ان سنی کردی۔

☆۱۹۳۶ء: الحاج مفتی امین الحسینی کی قیادت میں احتجاجاً چھ ماہ تک ہڑتال جاری رہی۔ اس وقت برطانیہ نے یہ تجویز پیش کی کہ چونکہ عرب اور یہود دونوں کو بیک وقت خوش کرنا محال ہے لہٰذا فلسطین کا واحد حل اس کی تقسیم ہے، اس نے سفارش کی کہ آئندہ پانچ سالوں میں ہر سال بارہ ہزار یہودی باہر سے لاکر بسائے جائیں، نیز مسلم اکثریت کے علاقوں سے عربوں کا انخلاء کرلیا جائے، عرب احتجاج کو برطانیہ نے شدت سے کچلا، اور ہائی عرب کمیٹی کو غیر قانونی قرار دے کر قائدین عرب کو جزائر میں جلاوطن کردیا، برطانیہ کا یہ اقدام مملکت اسرائیل کے قیام میں تیسری اہم کامیابی تھی جو مسلم دشمن عناصر کو حاصل ہوئی۔

☆۱۱ر نومبر ۱۹۳۶ء: برطانیہ نے اپنے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق تقسیم فلسطین کا پلان پیش کیا۔

☆۱۹۳۹ء: لندن میں گول میز کانفرنس طلب کی گئی، اس کانفرنس میں اب تک عربوں اور یہودیوں کے جانی ومالی خسارہ کا تخمینہ لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ ۱۹۳۶ء کی بغاوتوں تک مسلم شہداء کی تعداد جو زیادہ تر برطانوی افواج کی گولیوں سے ہلاک ہوئے تھے ۳۱۱۲ر تھی، اور زخمیوں کی تعداد ۷۷۵ر تھی، اس کے برخلاف مقتول یہودیوں کی تعداد محض ۳۲۹ر تھی اور زخمی ۱۳۵ر تھے، ۱۱۰ر عرب شہداء کو برطانیہ نے سولی پر چڑھادیا، ۵۶۷۹ر بااثر عربوں کو جیل میں ڈال دیا۔

☆اس گول میز کانفرنس میں عربوں کی شدید

مخالفت کی وجہ سے تقسیم کا برطانوی پلان منظور نہ ہوسکا، اس کے بعد فلسطین میں ۷۵ ہزار یہودی اور بسائے گئے، اب فلسطین میں یہودی نوآبادیاں بڑھ کر ۲۰۰ تک پہونچ گئی، آبادی میں بھی اتنا اضافہ ہوا کہ مجموعی آبادی میں ان کی حیثیت تیس فیصدی ہوگئی، تل ابیب میں ڈیڑھ لاکھ یہودی آباد ہو چکے تھے اور آٹھ کروڑ اسٹرلنگ سرمایے سے یہودی صنعتی زندگی کا آغاز ہو چکا تھا۔

☆۳ ستمبر ۱۹۳۹ء: برطانیہ جب دوسری عالمی جنگ کی لپیٹ میں آیا تو یہودیوں نے اپنی فطرت کے مطابق برطانیہ کی اس پریشانی اور بدحالی سے مکمل فائدہ اٹھایا، فلسطین میں تخلیق ریاست کی شرط پر یہودی برطانیہ کی مدد پر آمادہ ہوئے، چنانچہ بڑی تعداد میں یہودی برطانوی فوج میں داخل ہوئے، ان کے اسلحہ خانوں نے ۱۳۶ لاکھ اٹنی ٹنک گولے برطانیہ کے لئے تیار کئے

☆۱۹۴۰ء: جنگ چھڑنے کے بعد برطانیہ نے یہودیوں کے اس احسان کے بدلہ میں فلسطین میں زمین کی آبادکاری کے نئے قوانین وضع کئے، صدر امریکہ نے برطانیہ سے ڈیڑھ لاکھ یہودیوں کو بسانے کی درخواست کی۔

☆جن دنوں برطانیہ جنگ عظیم میں الجھا ہوا تھا، یہودیوں نے اپنی عسکری اور اسلحہ جاتی قوتوں میں خفیہ طور پر اضافہ کیا، اور اپنی عنصری فطرت کے مطابق سب سے پہلے اپنی اس طاقت کا استعمال اپنے ہی سرپرست برطانیہ کے خلاف کیا، مقصد یہ تھا کہ برطانیہ کسی طرح ریاست اسرائیل کی تخلیق سے پیچھے نہ ہٹے، چنانچہ ۱۹۴۴ء سے برطانیہ پر یہودیوں کے یہ حملے شروع ہوئے، سب سے طاقتور حملہ برطانیہ پر ۱۹۴۶ء میں ہوا، اور یہودیوں کو اپنے مقصد میں چوتھی بڑی کامیابی اس طرح حاصل ہوئی کہ ۳۱ اگست ۱۹۴۷ء کو اقوام متحدہ کے تحقیقاتی کمیشن نے تقسیم فلسطین کی تحریک پیش کی، چونکہ روس اور امریکہ تقسیم پر آمادہ تھے، برطانیہ یہودی حملوں کی دہشت میں مبتلا تھا لہٰذا جنرل اسمبلی نے تقسیم کی تجویز منظور کرلی، نتیجہ یہ ہوا کہ سیلاب کی طرح یہودی فلسطین میں امڈ آئے۔ ۱۹۴۶ء میں عرب آبادی ۱۲۶۹۰۰۰ (بارہ لاکھ انہتر ہزار) اور یہودی آبادی ۶۷۸۰۰۰ (چھ لاکھ اٹہتر ہزار) ہوگئی، یعنی مجموعی آبادی کی تقریباً نصف۔

☆مارچ ۱۹۴۸ء: تقسیم کا پلان سامنے آتے ہی ہمہ گیر پیمانہ پر عرب یہودی فسادات کا سلسلہ شروع ہوا، عرب اکثریت کی مخالفت نے اقوام متحدہ اور امریکہ کو تقسیم کی رائے پر غور کرنے پر مجبور کردیا، لیکن اب وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا، یہودی قوم کسی بھی طاقت کی منظوری یا عدم منظوری سے بے نیاز ہو چکی تھی، اب کمان ان کے ہاتھ میں تھی، اس نے منظم طور پر فلسطینی شہروں پر حملہ شروع کردیا، عرب عدم تنظیم، قیادت کی کمزوری، اسلحہ جات کی کمی کی وجہ سے پیہم شکست کھاتے گئے، ۱۲ اپریل ۱۹۴۸ء کو یہودیوں نے حیفہ پر، اور ۱۳ مئی ۱۹۴۸ء میں جافہ پر قبضہ کرلیا، اس طرح دفاع کے بغیر شہر ایک کے بعد ایک یہودی قبضہ میں آگئے۔

☆۱۴ مئی ۱۹۴۸ء: یہودیوں کے جارحانہ رویہ کو دیکھتے ہوئے برطانوی کمشنر نے اسرائیلی ریاست کے قیام کا اعلان کئے بغیر فلسطین چھوڑ دیا، اور یہودیوں نے خود ہی اپنی ریاست کا اعلان کردیا، اور اس طرح مملکت اسرائیل وجود میں آئی، دلچسپ بات یہ ہے کہ قانونی طور پر ریاست اسرائیل کا اعلان نہ اقوام متحدہ نے کیا نہ ہی برطانیہ نے حالانکہ یہ دونوں اس کے سب سے بڑے مخلص سرپرست تھے، اور اس سے دلچسپ بات یہ ہیکہ اس خودساختہ ریاست کو قبول کرنے والی پہلی ریاست امریکہ تھی حالانکہ شروع میں ہم بتا چکے ہیں کہ بالفور منشور پیش کرنے کے بعد امریکی صدر ولسن نے اس کی مخالفت کی تھی۔

اب مناسب ہے کہ مملکت کے قیام کا ایک سرسری تجزیہ پیش کردیا جائے:

اسرائیلی ریاست کا تخیل، بانی کون؟

ریاست اسرائیل کا خواب سب سے پہلے تھیوڈر ہرٹزل نے دیکھا، ہرٹزل ۲ مئی ۱۸۶۰ء کو پیدا ہوا اور ۳ جولائی ۱۹۰۴ء کو جاں بحق ہوا، ہرٹزل ایک صحافی تھا، صحافتی زندگی نے اس کو اس تلخ حقیقت سے آگاہ کیا کہ پوری دنیا میں یہودیوں کے خلاف گہرے نفرت کے جذبات پائے جاتے ہیں، اس کا یہ احساس اس لئے بھی شدید ہوا کہ وہ جس عہد میں پیدا ہوا وہ زمانہ یہودیوں کی بدقسمتی کا عروج تھا، تاریخ کا طالب علم واقف ہے کہ ہر زمانہ میں یہودیوں کا قتل عام ہوتا رہا ہے، اہل بابل کے ہاتھوں ان کی غلامی اور ویرانی و بربادی، دوم رومیوں کے ہاتھوں ۷۰ء میں ان کی بربادی اسی تاریخ کا حصہ ہے، اسلام کے آنے کے بعد یہودیوں کو سنبھلنے کا ایک موقع دیا گیا ﴿عسى أن يرحمكم ربكم﴾ لیکن ساتھ میں یہ دھمکی بھی دی گئی کہ ﴿ان عدتم عدنا﴾ تاریخ کا طالب علم جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس قول کی تفسیر ہر زمانہ میں ظاہر ہوتی رہی ہے۔

چنانچہ مشرقی یورپ اور مغربی یورپ میں یہودیوں کے قتل عام کے ایسے طریقے ایجاد کئے گئے کہ اس پر انسانیت شرمسار ہوجائے، قتل یہود کے لئے اجرت کے مزدور رکھے جانے لگے اور قتل کی تعداد پر یومیہ اجرت ملنے لگی، اس طرح قتل یہود معاش کا ایک ذریعہ بن گیا، انفرادی قتل چونکہ طول عمل تھا اس لئے ہٹلر نے یہ طریقہ ایجاد کیا کہ گیس کے بڑے بڑے کمروں میں بند کرکے ان کا اجتماعی قتل عام ہوا، دیگر یورپین ممالک نے ہٹلر کی تقلید کی، اس طرح چالیس لاکھ یہودی مارے گئے، نازی افواج کے ہاتھوں ستاون لاکھ یہودی ہلاک ہوئے، ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء تک دنیا کے یہودیوں کی مجموعی تعداد کا ایک تہائی حصہ ہلاک کردیا گیا، ۱۹۳۹ء کے آخر تک یورپ میں ساڑھے نو ملین یہودی تھے، ۱۹۴۵ء کی آخری مردم شماری کے ذریعہ معلوم ہوا کہ ان کی کل آبادی ساڑھے تین ملین رہ گئی ہے، یہ اعداد و شمار اگرچہ شکوک و شبہات کے دائرہ سے باہر نہیں ہیں، البتہ نفس قتل عام کا انکار کسی کو نہیں ہے، پورے یورپ میں ہر خاص و عام کی زبان پر ایک ہی نعرہ تھا: "یہودیوں کو قتل کرو!

ان کے گھر جلاؤ ایک بھی بچنے نہ پائے"

یہ قتل عام درست تھا یا نہیں؟ اس کے اسباب و محرکات کیا تھے؟ یہ ایک طویل اور تجزیاتی بحث ہے، یہاں صرف اتنا اشارہ کردینا کافی ہے کہ یہودی اپنی مکارانہ اور سازشی فطرت سے مجبور ہوکر جہاں بھی رہے اپنی خباثت سے وہاں فتنہ پیدا کیا، یہاں تک کہ یورپ میں صورتحال یہ پیدا ہوگئی تھی کہ کہیں کوئی فتنہ اٹھتا تو یہ یقین کرلیا جاتا کہ اس کے پیچھے ضرور یہودیوں کا ہاتھ ہوگا، یہاں پر صرف تین مثالیں اس کے لئے کافی ہیں، کیتھولک چرچ میں جب تحریک اصلاح وجود میں آئی تو اہل چرچ کو، ۱۹۰۴ء میں روس نے جب جاپان سے شکست کھائی تو روس کو، اور پہلی جنگ عظیم میں جب جرمنی کو شکست ہوئی تو ہٹلر کو پورا یقین تھا کہ اس کی شکست کے پیچھے غدار یہودیوں کا ہاتھ ہے، انہی وجوہات کہ وجہ سے مسیحی یورپ میں یہودیوں کو غلاظت کی طرح نجس تصور کیا جاتا تھا، لیکن ہم جیسے طالب علموں کو یہودیوں کی یہ ذلت اس آیت ﴿وضربت عليهم الذلة والمسكنة وباؤا بغضب من الله﴾ کی تفسیر، اور ﴿ان عدتم عدنا﴾ کا عملی اظہار نظر آتا ہے۔

بہر حال یورپ گیر یہود کش پالیسی کے نتیجہ میں صہیونت کی طاقتور تحریک وجود میں آئی جس نے بچے کھچے یہودیوں کو بٹورنے کا کام شروع کیا، صیہونی پروٹوکول اس تحریک کی ساخت، ذہنیت اور عزائم کا بہترین ترجمان ہیں، اس تحریک کا سب سے مخلص فرزند تھیوڈر ہرٹزل تھا جس نے محسوس کیا کہ یہودیوں کی سب سے بڑی ضرورت ایک پناہ گاہ اور مرکز کا قیام ہے، اس نے ۱۸۹۵ء میں ریاست یہود کا خاکہ اپنی کتاب (DHE JUDENSTAAT) پیش کیا، فروری ۱۸۹۶ء میں یہ کتاب بنی اسرائیل کی زندگی کا بائیبل بن کر سامنے آیا۔

فلسطین کا انتخاب کیوں؟

یہ ایک سوال ہے کہ تھیوڈر ہرٹزل کے مجوزہ اسرائیلی ریاست کی تنفیذ کے لئے فلسطین کا انتخاب کیوں اور کس طرح ہوگیا؟ یہ سوال اس لئے بھی اہم ہوجاتا ہے کہ اسرائیلی ریاست کے تخیل کے بانی ہرٹزل نے فلسطین کا مطالبہ نہیں کیا تھا، اس نے لکھا تھا کہ اس کے لئے دو جگہیں مناسب ہیں، ایک ارجنٹائنا اور دوسرا فلسطین، اس نے انتخاب کا اختیار عیسائیوں کو دے دیا تھا، یہودیوں میں فلسطین جاکر آباد ہونے کا خواب کس نے جگایا؟ یہ ایک دلچسپ سوال ہے، درحقیقت یہ ریڈ کراس (صلیب احمر) کا بانی ہنری ڈونانٹ (HENRY DUNANT) تھا جس نے سب سے پہلے ۱۸۷۶ء میں فلسطین اور شام میں یہودی بساؤ کے لئے بین الاقوامی فلسطینی سوسائٹی قائم کی، ۱۸۴۰ء کے بعد فلسطین کے جغرافیائی اور سیاسی پس منظر، شرق اوسط کے تابناک مستقبل اور نہر سوئز کی تکمیل کی وجہ سے شام اور فلسطین پر قبضہ کے لئے برطانیہ اور فرانس میں کشمکش بڑھی لیکن جب عسکری اعتبار سے کسی کو کامیابی نہیں ملی تو انہوں نے غیر مسلح صلیب کی تحریک چلائی، جس کی لہر پورے یورپ میں پھیل گئی، اور فلسطین کی سرزمین یورپین مشنریوں کا اکھاڑہ بن گئی، اس عام مسیحی پالیسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہودی بھی فلسطین سے دلچسپی لینے لگے، یہی دلچسپی بعد میں صیہونی تحریک کی صورت میں مشکل ہوگئی، انیسویں صدی کا یہی دینی اور سیاسی پس منظر تھا جس میں فلسطین میں یہودی بساؤ کی تحریک طاقت پکڑ گئی، ہرٹزل نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ کسی طرح سلطان عبدالحمید سے شام و فلسطین میں بساؤ کمپنی قائم کرنے کی اجازت حاصل کرلے لیکن اس کو اس سلسلہ میں سلطان سے اس قدر مایوسی ہاتھ آئی کہ ہرٹزل مشرقی افریقہ یوگنڈا میں اسرائیلی ریاست کی تخلیق کے لئے تیار ہوگیا، لیکن عام یہودی اس پر تیار نہیں ہوئے بلکہ ہرٹزل کے اس فیصلہ کے دن کو یوم سیاہ قرار دیا گیا، ۱۹۰۴ء میں ہرٹزل جاں بحق ہوگیا، ۱۹۰۹ء سلطان عبدالحمید معزول کردئے گئے، سلطان کی معزولی کے ساتھ یہودیوں کی مراد بر آئی، یہودیوں نے ترکی کی نئی حکومت کے ساتھ وفاداری کا اعلان کیا، اور فلسطین میں یہودی کالونی ٹرسٹ قائم کردیا گیا، زراعت، تعلیم اور دوسرے میدانوں میں یہودی برابر ترقی کرتے گئے یہاں تک کہ وہ فلسطین کو اسرائیلی ریاست میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

یورپ کو فلسطین میں یہودی بساؤ سے دلچسپی کیوں؟

ایک سوال یہ ہے کہ مسیحی یورپ کو اس بات سے دلچسپی کیوں تھی کہ یہودی فلسطین ہی میں آباد ہوں؟ اس سوال کی تشخیص اور تجزیہ میں اختلاف رائے ہوسکتا ہے، چنانچہ بعض لوگوں کی یہ رائے ہیکہ دراصل اس تحریک کے پیچھے مسیحی یورپ کا ایک اہم مقصد پوشیدہ تھا اور وہ یہ کہ فلسطین میں حضرت عیسیٰ کا ظہور ثانی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ وہاں یہودی بسائے نہ جائیں، کیونکہ ان کے عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ انہیں میں نمودار ہونگے اور اپنی سلطنت قائم کریں گے، موجودہ مسیحی یہود دوستی کو بھی بعض لوگ اسی تناظر میں دیکھتے ہیں، لیکن یورپ کا مادی پس منظر اس مذہبی محرک کی نفی کرتا ہے۔

کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ فرانس اور روس کی دلچسپی کی وجہ شرق اوسط کا روشن مستقبل اور نہر سوئز کی اہمیت اور افادیت تھی۔ وہ خطہ میں اپنی اپنی طاقتور نمائندگی قائم کرنا چاہتے تھے، یہودیوں کی ریاست کی تخلیق میں تعاون کرکے وہ یہودیوں کو اس علاقہ میں اپنا چوکیدار بنا سکتے تھے، برطانیہ کے لئے فلسطین میں اپنی نمائندگی اس لئے اہم تھی کہ اگر یہاں فرانس یا روس آیا تو ہندوستان پر اس کی گرفت کے کمزور پڑنے کا خطرہ بڑھ جاتا۔

یہ تمام اسباب ہوسکتے ہیں، لیکن میری رائے میں ان تمام میں سب سے زیادہ طاقتور بات شاید یہ ہو کہ یورپ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا تھا، ایک تو یہودیوں سے گلوخلاصی، اس لئے کہ مسیحی یورپ اس سے اچھی طرح واقف تھا کہ اگر یہودی یہاں رہے تو مستقل دردسر بنیں گے، اور دوسرا مقصد ان کا یہ تھا کہ عالم عربی کو ہمیشہ ہمیش کے لئے ایک نئی مصیبت میں ڈھکیل دیا جائے، ان دونوں مقاصد میں وہ ایک حد تک کامیاب بھی ہوئے۔

فلسطین میں اسرائیلی ریاست کا جوجہ جواز اور اس کا منطقی تجزیہ

فلسطین میں اسرائیلی ریاست کی تخلیق کے وجہ جواز کے طور پر یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ فلسطین اصلاً یہودیوں کا قدیم وطن ہے، اس دلیل کا پس منظر یہ کہ حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل فلسطین پہونچے تھے، اور ابھرتے ڈوبتے انھوں نے وہاں اسرائیل کے نام سے ایک ریاست بھی قائم کی تھی، پھر گردش زمانہ نے ان کو ہمیشہ کے لئے وہاں سے جلاوطن کردیا۔

فلسطین میں مملکت اسرائیل کے جواز کے طور پر یہ دلیل بالکل غیر منطقی ہے، اس لئے کہ بیشتر انگریز مسیحی مورخین عرب مورخین کی اس بات کو تسلیم کرچکے ہیں کہ یہودیوں سے پہلے یہاں عرب آباد تھے، اس کے علاوہ پوری انسانی تاریخ میں فلسطین میں یہودی، عیسائی اور مسلمانوں کے زمانہ قیام کا تجزیہ کیا جائے تو اس سے بھی یہ بات واضح ہوجائیگی کہ مسلمان اور خصوصاً عرب مسلمانوں کا اس پر زیادہ حق ہے۔

ان تمام باتوں سے قطع نظر اگر ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ چونکہ چھ صدی قبل مسیحی میں یہاں پر یہودی آباد تھے، اور ان کی اسرائیل نامی ایک ریاست قائم تھی، اور یہ کہ یہ سرزمین ارض موعودہ ہے، اس لئے یہودیوں کو حق پہونچتا ہے کہ وہ فلسطینیوں کو نکال کر خود بس جائیں، اگر اس منطق کو مان لیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑیگا کہ خالق اسرائیل برطانیہ، انگلستان کو اس کے اصل باشندے سیل کے لئے خالی کردے، امریکہ کو بھی ارض امریکہ اس کے اصل اور قدیم باشندوں سرخ ہندیوں کے لئے خالی کرنا پڑیگا، اس لئے کہ امریکہ نے ساڑھے آٹھ کروڑ سرخ ہندیوں کا قتل عام کرکے اس سرزمین کو ان سے چھینا ہے، اور جاپان کو بھی ارض جاپان اس کے قدیم باشندوں ایٹس کے لئے خالی کرنا ہوگا، اور اس طرح جدید عالم کا پورا نقشہ بدلنا ہوگا، ایسین کو بھی عربوں کے لئے خالی کرنا ہوگا۔ اگر یہ نہیں ہوسکتا تو مشرق وسطی کے بحران کا واحد حل یہ ہے کہ اسرائیل کو تحلیل کرکے سرزمین فلسطین اس کے اصل باشندوں عربوں کو لوٹا دیا جائے۔

اسرائیلی ریاست کی تخلیق میں مسلم ذمہ داریاں

قیام مملکت اسرائیل کی مسلم ذمہ داریوں کا یہاں محاسبہ کرنا ضروری ہے، تاریخ نے آج ثابت کردیا ہے کہ المیہ فلسطین کی اساس یا مملکت اسرائیل کا سب سے بڑا خالق ترکوں کے خلاف عرب بغاوت تھی، ہم نے ابتداء میں عرض کیا تھا کہ بالفور منشور مجوزہ ۱۹۱۷ء مملکت اسرائیل کی طرف پہلا قدم اور آج شرق اوسط بحران کی بنیاد ہے، لیکن ہم اس وقت یہ جائزہ لیں گے کہ جب یہ منشور صادر ہوا، اس وقت خلافت عثمانیہ کی کیا پوزیشن تھی، عرب قیادت کا اس میں کیا رول تھا؟ بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس بحران کا خالق اصلاً عرب قیادت ہی تھی۔

یورپ بلکہ ایشیاء اور شرق اوسط سے خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کی سازش مسیحی قوتیں صدیوں سے کررہی تھیں، پہلی جنگ عظیم سے بہت پہلے یورپ نے ترکی کے خلاف محاذ کھول دیا تھا جس میں برطانیہ پیش پیش تھا، متحدہ بلقان، بلغاریہ، سربیا اور یونان میں ترکوں کے خلاف بغاوت کرائی گئی ۱۹۰۴ء سے ۱۹۴۰ء تک یورپ کے اکثر خطے ترکوں کے ہاتھ سے نکل گئے، ایسے حالات میں ترکوں کی شاندار خدمات، خلافت عثمانیہ کے ذریعہ اسلام کی بالادستی، خلفاء ترکی کا حرمین کی طرف انتساب پر فخر اور یورپین ممالک کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرنے کے عزم کا تقاضا تو یہ تھا کہ پورا ملک عرب بیک آواز ترکی کی حمایت کے لئے کھڑا ہوجاتا، لیکن برا ہو قومی عصبیت اور سلطنت وریاست کی حرص وطمع کا جس نے عرب قیادت کے سربراہ شریف مکہ کو مجبور کیا کہ وہ نہ صرف یہ کہ ترکوں کی حمایت نہ کریں بلکہ ترکوں کے خلاف بغاوت، خلافت عثمانیہ کے خاتمہ اور ترکوں کو تہ تیغ کرنے کے لئے سازش کریں اور ترکوں کو زیر کرنے کے لئے برطانیہ اور ان کے اتحادیوں کو دعوت دیں۔

۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۷ء تک شریف مکہ اور برطانیہ کے درمیان شریف مکہ کے تینوں بیٹے سفارت کا کام کرتے رہے، برطانوی فوجی ملازم لارنس آف عربیہ ایک طرف برطانیہ کا جاسوس تھا دوسری طرف وہ عربوں کا دوست ناصح بنا بیٹھا تھا، وہ عربوں کی سرگرمیوں کی رپورٹ برطانیہ کو دیتا اور پھر ان کی ہدایت وایماء کے مطابق فیصلے کرنے پر عرب قیادت کو مجبور کرتا، شریف مکہ کو یہ باور کرایا گیا کہ ترکوں کے خاتمہ کے بعد ایک آزاد عرب خلافت ان کے حصہ میں آئیگی، چنانچہ عرب قیادت کھل کر ترکوں کے خلاف میدان میں آگئی، یورپین محاذ پر ترک ایسے ہی زخم خوردہ تھے، عرب بغاوت نے ان کی کمر توڑ دی اور آخر کار بالفور منشور سے چند دن پہلے برطانیہ نے فلسطین پر قبضہ کرلیا اور مجبوراً ۸/دسمبر ۱۹۱۷ء کو ترکوں کو فلسطین سے نکلنا پڑا، اس لحاظ سے اگر بالفور منشور مملکت اسرائیل کے قیام کی بنیاد ہے تو عرب غلط قیادت بالفور منشور کے وجود کا سبب ہے، اس عرب اور یورپ دوستی کا افسوسناک پہلو یہ ہیکہ شریف مکہ کو جس آزاد ریاست کا خواب دکھلایا گیا وہ کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔ عرب قیادت کی یہ ایسی تاریخ غلطی ہے جس پر تاریخ اس کو کبھی معاف نہیں کریگی۔

فلسطین کا مسئلہ اُس وقت تک ناقابل حل رہیگا جب تک عرب قیادت شریف مکہ جیسے لوگوں کے ہاتھ میں رہیگی، مملکت اسرائیل اس وقت تک پھلتا پھولتا رہیگا جب تک لارنس آف عربیہ جیسے غدار جاسوس مسلم قیادت کا مشیر اور خیر خواہ بنا رہے گا، جائزے، تجزیے اور رپورٹیں موصول ہورہی ہیں کہ مملکت اسرائیل اندرونی طور پر بکھر رہا ہے، اور یہ کوئی بعید نہیں ہے، اس لئے کہ ﴿ولله جنود السموات والأرض﴾ خالق کائنات مداولت في الأرض کے قانون کے تحت مملکت اسرائیل کو لحہ بہ لحہ زوال کے قریب لے جارہا ہے، اس کا تذکرہ پھر کبھی کیا جائے گا، لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ مستقبل کا مورخ ہمارا اور موجودہ عرب وغیر عرب مسلم قیادت کا شمار کس فہرست میں کریگا، شریف مکہ یا لارنس آف عربیہ کی فہرست میں یا پھر ان غیوروں کی فہرست میں جن کو تاریخ شہرت دوام کا تاج زریں عطا کرتی ہے، یہ فیصلہ ہمارے ہاتھوں میں ہے۔☆☆☆☆

صہیونی جارحیت - اعداد وشمار کی روشنی میں

از:.....سید جمشید احمد ندوی

گذشتہ نصف صدی میں فلسطینی مسلمانوں پر اسرائیلی جارحیت نے جو انسانیت سوز اور جگر فگار مظالم ڈھائے ہیں اس کی مکمل تفصیلات پیش کرنے کی یہاں نہ گنجائش ہے نہ ہمت، معروف برطانوی مورخ آرنلڈ جے۔ ٹوائن بی نے میکگل یونیورسٹی میں ۳۱/جنوری ۱۹۶۱ء کو ایک خطاب میں کہا کہ ۱۹۴۷ء اور ۱۹۴۸ء میں یہودیوں کا قتل عام قابل مذمت ہے، عربوں کی املاک لوٹی گئیں، بے گناہ قتل عام ہوئے، قتل کی تعداد خواہ نازی کی تعداد سے کم سہی، لیکن بربریت کی نوعیت نازی مظالم کے مساوی تھی، یہودی سفاکی وبے دردی (ATROCITIES) کے مجرم ہیں" (فلسطین اور بین الاقوامی سیاست: مؤلفہ: حبیب الحق ندوی، ص:۳۸۷)

ذیل میں صہیونی جارحیت کے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں:

☆اللد: ۱۰/۷/۱۹۴۸ء میں صہیونت نے پلان بنایا کہ اس کی تمام آبادی کو جلاوطن کردیا جائے، اس موقع پر مسلمانوں نے ایک مسجد میں پناہ لی تو ان کو خانہ خدا میں بھی پناہ نہیں ملی اور ۲۰۰/سے زائد فلسطینی شہید کردئے گئے۔

☆دیر یاسین: ۹/۴/۱۹۴۸ء میں اس شہر پر اچانک حملہ ہوا اور ۲۵۰/فلسطینی شہید کردئے گئے، شہداء میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھیں۔

۱۸/۱۹۴۸: منصورات الخیاط، اسی سال ۱۵/فروری قیصاریہ، ۲۷/فروری خربة نلصر الدین، ۱۲/اپریل حیفہ اور حسینیہ، ۲۱/اپریل بلدة الشیخ، ۲۵/اپریل عین الزیتون، ۲/مئی العباسیة، ۴/مئی بیت دارس، ۱۱/مئی البریر، ۱۲/مئی ابو شوشة، ۱۴/ الکبری اور الطنطورة، ۲۱/مئی قزازة، ۹/جولائی لیدا، ۱۰/جولائی أسدود اور الدیوامة، ۲۸/دسمبر عیلبون، الجش، مجد الکروم اور صفصفة، ۲۹/دسمبر عرب السمینة، صلیحة اور سعسع، ۳۰/دسمبر کفر قاسم، صرف ایک سال کے عرصہ میں یہ تمام علاقہ خون میں نہا گئے اور ہزاروں لوگ خانماں برباد ہوئے۔

۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۷ء تک ۲۱۳/گاؤں اور شہروں کو اس کے اصل باشندوں جن کی تعداد تقریباً چار لاکھ تیرہ ہزار سات سو چورانوے تھی، سے خالی کرالیا گیا، ۱۹۴۸ء کی جنگ کے بعد ۲۶۴/فلسطینی آبادی کو جلاوطن کیا گیا، صلح کے بعد بھی ۵۴/فلسطینی گاؤں کو خالی کرایا گیا، یعنی صرف ایک سال کے عرصہ میں ۱۰/لاکھ فلسطینیوں کو شہر بدر کردیا گیا۔

صہیونیت کے جارحانہ مزاج کی عکاسی دوایمہ کی کارروائی میں شریک ہونے والے ایک فوجی کے اس بیان سے ہوتی ہے جو اسرائیلی پرچہ "دافار" میں ۹/جون ۱۹۷۹ء میں تقریباً ۱۰۰/بچوں کو قتل کیا، بچوں کو قتل کرنے کا آسان طریقہ یہ تھا کہ ہم کسی وزنی چیز سے اس کا سر پاش پاش کردیتے"۔

صہیونت کی جارحیت کا شکار فلسطینیوں کے گھر بھی ہوتے ہیں، صرف ۱۹۸۱ء میں ۲۰۰ گھر زمیں بوس کردئے گئے۔

☆ حولا: ۳۱/۱۲/۱۹۴۸ء میں صہیونیوں نے ۸۵/لبنانیوں کو گرفتار کرکے مار ڈالا اور ان کی اراضی، گھر بار پر قبضہ کرلیا۔

☆صفد البطیح: ۱۳/۱۰/۱۹۹۶ء میں ایک بمباری کے نتیجہ میں ایک ہی خاندان کے ۹/بچے اپنے سن رسیدہ (۷۰) دادا کے ساتھ جام شہادت نوش کیا۔

☆ قانا: ۱۸/۴/۱۹۹۶ء میں صہیونیوں نے اس علاقہ پر توپ کا دہانہ کھول دیا، ۱۰۶/معصوم اس کی بھینٹ چڑھ گئے۔

☆۱۹۷۰ء کے بعد سے فلسطینی پناہ گزینوں کے کیمپ پر حملے شروع ہوئے۔

☆۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۳ء تک ۱۰۷۰ قائدین یا اہل الرائے وطن بدر ہوئے اور قید کئے گئے۔

زمین پر قبضہ

۱۹۴۸ء کی جنگ سے قبل ہی اقوام متحدہ کے بٹوارہ پلان سے ۲۳ فیصد سے زیادہ پر یہودی قابض ہو چکے تھے جنگ کے بعد سارے فلسطین پر قبضہ کرلیا، ۱۹۶۷ء میں مغربی کنارہ اور غزہ پر بھی قبضہ کرلیا، کفر قاسم کے علاقہ میں ۱۹۵۴ء میں بارہ لاکھ زمین پر قبضہ کیا گیا اور ۳۵۰ دیہات خالی کرالئے گئے، ۱۹۶۷ء سے اکتوبر ۱۹۷۳ء تک مغربی کنارہ اور غازہ میں ۲۱ یہودی بستیاں آباد کی گئیں، زمین پر قبضہ کرکے فلسطینیوں کو بے گھر کرنے کا عمل ہنوز جاری ہے۔

صہیونت اور فلسطینی بچے

صہیونت کو اپنے پلان میں جوں جوں ناکامی کا سامنا ہورہا ہے وہ جنون میں مبتلا ہوکر فلسطینی بچوں کو اپنی جارحیت کا نشانہ بنارہی ہے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ۲۰۰۰ء میں جب تحریک انتفاضہ وجود میں آئی اور اس نے صہیونی جارحیت کو پتھروں اور غلیل سے لگام دینے کی کوشش کی، جس میں وہ کامیاب بھی ہوئی تو صہیونیت کو اندازہ ہوا کہ ان بچوں کا استیصال کرنا ضروری ہے، چنانچہ تحریک انتفاضہ جوں جوں مستحکم ہوتی گئی بچوں کے خلاف صہیونی جارحیت میں اضافہ ہوتا گیا، ۲۰۰۰ء میں فلسطینی شہداء میں بچوں کا تناسب ۷ فیصد تھا ۲۰۰۱ء میں یہ تناسب ۱۲.۲ فیصد، ۲۰۰۲ء کے ابتدائی سات مہینوں میں ۲۹.۹ فیصد ہوگیا، رپورٹ کے مطابق تحریک انتفاضہ کے آغاز کے بعد سے ۱۹ ہزار بچے ابھی تک صہیونی جارحیت سے متاثر ہوئے ہیں، جبکہ ۹۵۱/بچے شہید ہوچکے ہیں۔

☆☆☆☆☆

رپورٹ

بلیا اور اس کے نواح میں دو دن

از ..... محمود حسن حسنی ندوی

بلیا اور غازی پور ریاست اتر پردیش کے جڑواں دو معروف شہر ہیں ان کی ہندوستان کی جنگ آزادی میں بڑی قربانیاں ہیں، اور یہاں کی شخصیات کی علم وعمل کے میدان میں نمایاں کارکردگی رہی ہے، ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کا بلیا شہر اور ضلع غازیپور کا دو روزہ دورہ (۲۷، ۲۸ رمئی ۲۰۰۷ء) کو ہوا، استاد گرامی مولانا محمد خالد صاحب ندوی غازی پوری، جناب الحاج شاہد حسین صاحب، حاجی عبدالرزاق صاحب ہمراہ تھے اور راقم السطور بھی ساتھ تھا، بلیا میں استقبال کے لیے ایک اچھی تعداد لوگوں کی موجود تھی، اسلام آباد قاضی پور کے محلہ میں رات کے جلسہ میں شرکت مقصود تھی، یہاں بھی اہل تعلق جمع ہو گئے، معلوم ہوا کہ اسی محلہ کے متصل محلہ میں علامہ ابراہیم بلیاوی کا مکان واقع ہے، مگر کیس دیوبند منتقل ہو گئے تھے، علامہ ابراہیم بلیاوی کا نام علمی، دینی حلقوں میں خوب متعارف ہے، دارالعلوم دیوبند کے استاذ الاساتذہ تھے، لمبی مدت وہاں درس حدیث دیا، ترمذی شریف اور مسلم شریف خصوصیت سے ان کے زیر درس رہی، مصلح الامت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ان کے ارشد تلامذہ میں تھے، بلیا کی ایک دوسری معروف شخصیت حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی (جن کی زندگی دعوت وتبلیغ کے کاموں کے لیے وقف رہی اور بڑی قربانیوں سے اس تحریک میں انہوں نے عرب وہند میں پھیلانے کا کام کیا) کے متعلق معلوم کیا پتہ چلا قریبی قصبہ سکندر پور ان کا وطن ہے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سابق استاد ادب اور اپنے عہد کے امام لغت مصنف مصباح اللغات مولانا ابوالفضل عبدالحفیظ صاحب بلیاوی کے متعلق معلوم کیا پتہ چلا وہ ایک دوسرے قصبہ رسڑا کے رہنے والے تھے، واپسی ہم لوگوں کی وہیں سے طے ہے، حضرت مولانا مدظلہ نے اہل تعلق کو کچھ نصیحتوں سے نوازا اور پھر قیام گاہ پر آرام کے لیے گئے اس لیے کہ جو پروگرام طے تھے وہ عصر بعد سے تھے۔

عصر بعد حدیث خاں صاحب کی قائم کردہ مسلم کالونی میں ایک مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا، اور اس مناسبت سے حضرت مولانا مدظلہ کا مختصر خطاب بھی ہوا جس میں مسجد کی ضرورت اور اس کے تقاضوں پر روشنی ڈالی گئی، مغرب بعد قیام گاہ پر مشہور مجاہد آزادی ڈاکٹر مختار انصاری کے گھر کے چشم وچراغ حاجی صبغۃ اللہ صاحب ایم ایل اے ملاقات کے لیے آئے، اور تحریک پیام انسانیت کے علاقائی کارکنان نصیحتیں لینے آئے حضرت مولانا مدظلہ نے ان کی باتوں کو بغور سنا اور نصیحتوں سے نوازا۔

بعد نماز عشاء مدرسہ عربیہ تعلیم الدین اسلام آباد قاضی پور کا جلسہ سیرۃ النبی ودستار بندی منعقد ہوا، اس میں حضرت مولانا مدظلہ اور استاذ محترم مولانا محمد خالد صاحب ندوی کے اہم خطابات ہوئے، حضرت مولانا مدظلہ نے زندگی کے تمام شعبوں میں اسلامی زندگی گزارنے پر زور دیا، اور حلال وحرام کی تمیز رکھنے پر توجہ دلائی، انہوں نے کہا بعض چیزیں بہت معمولی سمجھی جاتی ہیں مگر ان کا عذاب بڑا سخت ہے وراثت کا حق نہ دینا، زمین غصب کرنا، عام بات ہوگئی ہے جو کسی کی زمین ناحق لیتا ہے قیامت میں سات زمینوں کا طوق اس کی گردن میں ڈالا جائے گا۔

مولانا مدظلہ نے قرآن مجید کی عظمت اور حامل قرآن کی عظمت پر بھی روشنی ڈالی، اور اس کے تقاضوں اور ذمہ داریوں کی طرف رہنمائی فرمائی، بنیادی دینی تعلیم کا جگہ جگہ نظم کرنے کو کہا اور ان کو انسان کی ویسی ہی ضرورت قرار دیا جیسے زندہ رہنے کے لیے کھانا پینا ضرورت ہے، مولانا نے اپنے ایک گھنٹہ کے خطاب میں دین وعبادت، اخلاق ومعاشرت کے تمام پہلوؤں کو نہایت جامعیت کے ساتھ اجاگر کیا، جلسہ کی نظامت قاری رحمت اللہ لکھنوی صاحب نے کی، قاری عبدالحنان صاحب نے حمد ونعت سنا کر ایمان کو حرارت بخشی۔

اتوار ۲۷ رمئی کو منڈی بازار میں پروگرام طے تھا، حافظ اشفاق صاحب کی توجہ سے یہ پروگرام بحسن وخوبی منعقد ہوئی، مولانا ابصار خاں صاحب منوی نے نظامت کی، حضرت مولانا مدظلہ نے یہاں اپنے خطاب میں منڈی والوں کے عمل کو مکہ والوں کے عمل سے تعبیر کرتے ہوئے ان کی ستائش کی، اور پوری سچائی اور امانت داری کے ساتھ اس میں ترقی کرنے کی ترغیب دی، انہوں نے فرمایا کہ مدینہ والے باغبانی، زراعت کرتے تھے اور مکہ والے تجارت کرتے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام جب

مکہ میں آباد ہوئے تو انہوں نے مکہ کے لیے پھلوں کی روزی کی خصوصیت سے دعا فرمایا: ﴿وارزقهم من الثمرات﴾ (انہیں پھلوں کی روزی عطا فرما)۔

مولانا مدظلہ نے اس کاروبار کو سراہتے ہوئے ان حضرات سے کہا کہ آپ لوگ اس دنیا کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں، اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہیں، اس طرح سبھی لوگوں کو فائدہ پہونچے ورنہ ایک جگہ کی چیز ایک ہی جگہ رہ جاتی اور دوسرے محروم رہتے، اسی نقل وحمل کے عمل سے آج دنیا کی ساری ترقی ہے، اللہ نے دنیا میں جو خزانے رکھے انہیں نکالا جارہا ہے، اور ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچایا جارہا ہے، سوچنے کی بات ہے کہ کتنے مرحلوں سے یہ کام تکمیل کو پہونچتا ہے، کپڑے ہی کو لے لیجئے، ہم تک کہاں کہاں سے گزر کر آتا ہے، کوئی سوت کاتتا ہے، دوسرا بنتا ہے، تیسرا بازار میں لاتا ہے، اور پھر درزی کی ضرورت پڑتی ہے، پیداوار کے ساتھ اللہ کا معاملہ عجیب ہے، جس چیز کی جتنی ضرورت مخلوق کو ہوتی ہے اس چیز کو اسی قدر بڑھا وادیتا ہے اور جس کی ضرورت کم ہوجاتی ہے اس کو کم کردیتا ہے، لوگوں نے پانی موٹریں لگانا شروع کیں، کنویں خشک ہونے لگ گئے۔

محنت اور علم دونوں کو لازم ملزوم قرار دیتے ہوئے اس کے حیرت انگیز نتائج ظاہر ہونے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ علم محنت کا راستہ متعین کرتا ہے، محنت خزانوں کو باہر لاتی ہے، اس کے ساتھ اللہ کا ذکر اور شکر شامل ہوجائے تو یہ چیز آخرت کی کامیابیوں سے ہمکنار کرانے کا ذریعہ بن جاتی ہے، کہ اس کا خیال جو ہوا اللہ کی توفیق سے ہوا، اس نے ہمت دی، اس نے بھجایا، اب ہم کو اسکے حکموں پر چلنا چاہئے، اسی میں ہماری نجات کا سامان ہے۔

منڈی بازار کے اس خوشنما پروگرام کے بعد حضرت مولانا مدظلہ، استاذ محترم مولانا محمد خالد صاحب ندوی کے نانا کے مکان پر تشریف لے گئے، پھر مدرسہ مفتاح گدڑی بازار تشریف لائے اور یہاں بھی خطاب کیا، مولانا نے فرمایا: یہ ایک قدیم مدرسہ ومسجد ہے، مسجد کا سنگ بنیاد حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی نے رکھا تھا اور مدرسہ کا علامہ ابراہیم بلیاوی نے اور اب یہ مدرسہ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے ملحق ہے، ان تینوں مناسبت کا خیال کرتے ہوئے حضرت مولانا مدظلہ نے اپنے مختصر وجامع خطاب میں فرمایا کہ:

یہ جتنے مدرسے ودینی وتعلیمی ادارے ہیں سب ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں، جس کا بیج مسجد نبوی میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈالا تھا، جسے مدرسہ صفہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، جہاں دین سیکھنے کے لیے کچھ صحابہ کھانے پینے کی پرواہ کئے بغیر پڑے رہتے تھے، اور یہ حال ہوتا تھا کہ بعض وقت غشی کھا کر گر گر پڑتے، اور لوگ یہ سمجھ کر کہ ان کو مرگی کا دورہ پڑرہا ہے علاج کے لیے گردن پر پیر رکھ دیتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حصول علم ودین میں ان قربانیوں کے بعد علم ہم تک پہونچا جسے ہم اتنی آسانی سے آج حاصل کرلیتے ہیں۔

مولانا مدظلہ نے حضرت مولانا حسین احمد مدنی، علامہ ابراہیم بلیاوی کے متعلق کہا کہ ان خلیل اللہ ہستیوں کی ہم نے زیارت کی ہے، حضرت مدنی کو ان کی تنہائیوں میں دیکھا ہے، ان کے ساتھ شب گزاری ہے، ان کی دعاء اور مناجات کو دیکھا ہے، اسی طرح علامہ ابراہیم کی خصوصیات وکمالات کا مشاہدہ کیا، یہ حضرات بڑے لوگ تھے، یہ ادارہ ایک جامع ادارہ بن گیا، دارالعلوم دیوبند کے ان اکابر علماء واساتذہ کی توجہات وسرپرستی اسے حاصل رہی اور اب دارالعلوم ندوۃ العلماء سے اس کا الحاق اور انتساب ہے، ندوۃ العلماء نے طلباء کی سند میں جو قرآنی آیت درج کی ہے اس میں تعلیمی ودعوتی مقصد کو بیان کیا گیا ہے، کہ "لینذروا قومهم اذا رجعوا اليهم"۔

مولانا نے فرمایا: مدرسہ انسان کی بڑی اہم ضرورت کو پوری کرتا ہے، انسان کی عقل کو، رجحانات کو، مقاصد کو، غذا فراہم کرتا ہے، کہ غذاء کی کیا مقدار ہو، اور کیسی ہو، طلبہ کی ادارہ پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، ایک ایک شخصیت پورے پورے ماحول، معاشرہ کو بدل دیتی ہے، خواجہ معین الدین چشتی نے اجمیر ودلی میں، شیخ علی متقی نے پنجاب میں، سید علی ہمدانی نے کشمیر میں کیا دینی انقلابات برکردیا، کہ اس پورے علاقے میں ایمان کی بادبہاری چل گئی، اسی طرح حضرت سید احمد شہید اور مولانا شاہ اسماعیل شہید کو لے لیجئے، اور آخر دور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی مثال آپ کے سامنے ہے، اسی لیے کسی بھی طالب علم کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے، کوئی نہیں جانتا کس کے اندر اللہ نے کیا چیز پوشیدہ رکھی ہے، جلسہ کی نظامت ناظم مدرسہ قاری اصغر علی صاحب نے کی۔

بلیا کے ان پروگراموں میں شرکت کے بعد مولانا مدظلہ غازی پور کے علاقے زائن پور تشریف لے گئے، ندوۃ العلماء کے کئی فضلاء کا تعلق اس خطہ سے ہے، مولانا معین الدین صاحب ندوی اور استاذ

محترم مولانا محمد خالد صاحب ندوی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، مولانا محمد خالد صاحب دام ظلہ کی کوششوں سے اس علاقہ میں بھی تعلیمی وتبلیغی سرگرمیاں زور شور پر ہیں، بچیوں کی تعلیم کی مستقل بندوبست ہے، ان کے حفظ قرآن کریم کا مستقل ادارہ ہے، اوراب المرکز الاسلامی اور مسجد مولانا عبداللہ عباس ندوی کا قیام بھی عمل میں آگیا ہے، اسی مسجد اور مرکز کا افتتاح بھی تھا، اس کے افتتاحی پروگرام میں حضرت مولانا مدظلہ نے یہاں کے تعلیمی ودعوتی کاموں کوسراہتے ہوئے فرمایا:

"تمام کام حوصلہ سے ہوتے ہیں اوراللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں پر چلنے سے اللہ کی مدد اور تقویت آتی ہے، اخلاص، جدوجہد اور قربانی سے ایک ایک شخص نے دنیا بدل دی، تاریخ میں اس کی ایک نہیں بڑی مثالیں ملتی ہیں۔

ہم کو اللہ نے اس ملک میں اور اس زمانہ میں اوران حالات میں جو پیدا کیا ہے وہ یونہی اور اتفاقی نہیں، اس سے ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے ان کے اعتبار سے ان حالات میں تبدیلی لانے کی کوشش کریں، ہم کو جو صلاحتیں اللہ نے دی ہیں، اس کو ہم امت کو عزت کے راستے پر لانے میں صرف کریں، اور کام میں لائیں، جولوگ اسلام کی تعلیمات سے نابلد ہیں ان کو ہم اس سے واقف کرائیں، نئی نسل کا تعلق اصلاحی کوششوں اور تبلیغی وتعلیمی جدوجہد کے ذریعہ دین واسلام سے مضبوط کریں، اور ساتھ میں برادران وطن کو بھی اسلام کی خوبیوں سے واقف کرائیں، یہ افتتاحی پروگرام عصرانہ مغرب کے وقت رہا، بیعت واسترشاد کا سلسلہ بھی جاری رہا، بلیا میں بھی لوگوں نے ایمان وایقان کی زندگی گزارنے کا عہد ومعاہدہ کیا، اور سلسلۂ طریقت میں لوگ داخل ہوئے۔

نرائن پور (غازیپور) سے رسڑا (بلیا) اسٹیشن پر کچھ وقت ٹرین کے انتظار میں گزرا، اس میں بھی لوگ نصیحت ورہنمائی کے لیے وقت کو غنیمت بتاتے رہے، ان میں پولیس کے لوگ بھی تھے معلوم ہوا اس علاقے میں پولس محکمہ سے مسلمان خوب جڑے ہوئے ہیں، یہاں ندوۃ العلماء کے استاد ادب مولانا عبدالحفیظ بلیاوی کی یاد تازہ کی، وہ بلیا کے اسی قصبہ کے رہنے والے تھے۔

☆☆☆☆☆

انتہائی رعایت ۶۰ فیصد

صرف مدارس اور طلبہ کی انجمن کے لیے

خصوصی خریداری اسکیم

مدارس اسلامیہ عربیہ میں تعلیمی سال اختتام پذیر ہے، اسی دوران مدارس کی طرف سے علمی، ثقافتی پروگرام طلبہ کے درمیان منعقد کرائے جاتے ہیں۔ اور طلبہ اپنی محنتوں، صلاحیتوں کے مطابق انعام کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ انعامات کتابوں کی صورت میں بھی دیئے جاتے ہیں۔ لہٰذا

مدارس اسلامیہ عربیہ کے ذمہ داران اور طلبہ سے گزارش ہے کہ

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ کی مطبوعات مندرجہ ذیل طریقوں کی رعایت کرتے ہوئے انتہائی رعایت پر حاصل کریں۔

۱۔ ۲۰ر جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ تک مطلق تحریری آرڈر بذریعہ ڈاک/فیکس روانہ کریں۔

۲۔ ۲۵ر جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ تک -/Rs. 500 بذریعہ منی آرڈر/ڈرافٹ بطور پیشگی ارسال کریں۔

فہرست مطبوعات مفت حاصل کریں۔

رابطہ کے لیے

Academy of Islamic Research & Publications
Post Box No. 119, Nadwatul Ulama, Lucknow.
Ph.: 0522-2741539, Fax : 2740806, Mob.: 9335223411

نوٹ:-
پتہ مکمل اور صاف تحریر فرمائیں۔
فون نمبر بھی لکھیں۔

روداد

دشمنان اسلام ذلیل وخوار ہوکر رہیں گے

(دارالعلوم ندوۃ العلماء میں "فلسطین بیداری مہم" پروگرام)

از ..... محمد جاوید اختر ندوی

فلسطین ارض مقدس ہے، یہ قبلۂ اول ہے، ثالث الحرمین ہے، قرآن مجید میں پانچ مرتبہ لفظ "بارکنا" استعمال ہوا ہے، اور پانچوں مرتبہ یہ لفظ شہر قدس سے متعلق ہے، نماز فرض ہونے کے بعد ۱۶ر ماہ تک مسجد اقصیٰ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی گئی، اسراء ومعراج کا واقعہ بھی اسی سرزمین سے متعلق ہے، اسی سفر میں رسول خداؐ نے تمام انبیاء کی امامت کی، یہ سرزمین انبیاء وصالحین کی پناہ گاہ رہی ہے، شہداء کے خون سے کوئی اسلامی سرزمین اتنی لالہ زار نہیں ہوئی جتنی سرزمین اسراء ومعراج ہوئی ہے۔

جہاں یہ سب حقائق ہیں اوراس کی برکتیں مسلم ہیں، وہیں یہ بھی المیہ ہے کہ یہ مقدس سرزمین آج دشمنوں کے نرغے میں ہے، ۶۳۶ء میں مسلمانوں کا اقتدار شہر قدس پر قائم ہوا، پھر ۱۹۹۰ء تک مسلمانوں نے اس کے تقدس کی حفاظت کی، اس کے بعد عیسائیوں نے ۱۰۹۹ء میں اس شہر مقدس کی تمام حرمتوں کو پامال کرتے ہوئے قبضہ کرلیا، آخر ایک صدی کی وحشت ناکیوں کے بعد خاندان کرد کے ایک مردمومن سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں ۱۱۸۷ء میں پھر ارض مقدس اس کے امینوں کے ہاتھوں میں آگئی، یہ سلسلہ چلتا رہا، دشمنان اسلام سازشیں رچتے رہے، تھیوڈ ہرٹزل نے ۱۸۹۷ء میں سویزرلینڈ میں پہلی بار یہودی وطن کے قیام کا ناپاک منصوبہ پیش کیا، اور آخر کار ۱۵ر مئی ۱۹۴۸ء کو مملکت اسرائیل قائم ہوگئی، اس طرح ساڑھے سات سو سال بعد فلسطین صلیبیوں اور صہیونیوں کے اتحاد اور مشترکہ سازشوں اور مسلمانوں کی کمزوریوں کے نتیجے میں ان کے ہاتھ سے نکل گیا، اور پھر جون ۱۹۶۷ء میں ان بدباطنوں نے قبلۂ اول مسجد اقصیٰ کو بھی اپنے غاصبانہ قبضہ میں لے لیا۔

یہ ایک بڑی تلخ کہانی ہے، آج مسجد اقصیٰ پر قبضہ ہوئے چالیس سال کا عرصہ ہورہا ہے، مسلمان اپنی غفلت وکمزوریوں کے باوجود کوشش میں لگے ہیں خدائے پاک پھر اس کو آزاد کردے، آج کے دور میں ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو بالعموم اور طالبان علوم نبوت کو بالخصوص اس سانحہ کی تاریخ اور اسباب عروج وزوال سے واقف کرایا جائے، اسی مناسبت سے پورے عالم میں پروگرام منعقد ہورہے ہیں، سمپوزیم، سیمینار اور کانفرنس کئے جارہے ہیں تاکہ مسلمانوں کو چالیس سالہ غاصبانہ دور کے بارے میں واقف کرایا جارہا ہے اور قبلہ اول کی بازیابی کے لیے ان کی ذمہ داریوں کو بتایا جائے۔

اسی سلسلہ میں ایک پروگرام ۲۶ر مئی ۲۰۰۷ء بروز شنبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے طلبہ کی انجمن "جمعیۃ الاصلاح" نے منعقد کیا، فلسطین اور ارض مقدس کے بارے میں عالم اسلام کی عظیم شخصیت مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے سیکڑوں صفحات سیاہ کئے ہیں، اور تقریر وتحریر میں مسلمانوں کو ان کا مقام وکام یاد دلایا ہے۔ جو ان کی متعدد تصنیفات میں آج بخوبی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے اور حرارت ایمانی حاصل کی جاسکتی ہے۔

یہ پروگرام "فلسطین بیداری مہم" کے نام سے نامور عالم دین دارالعلوم کے موقر استاذ حدیث جناب مولانا سید سلمان حسینی ندوی کی صدارت میں بعد نماز عشاء متصلا مولانا معین اللہ ندوی ہال (کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی) میں منعقد کیا گیا، جس میں دارالعلوم کے اساتذہ کرام کے قیمتی وچشم کشا محاضرے ہوئے اور صدر محترم کا فکر انگیز خطاب ہوا۔

یہ پروگرام قاری محمد علی ندوی کی تلاوت کلام پاک سے شروع ہوا، اور سب سے پہلا مقالہ مولانا عبدالرشید ندوی نے "شام وفلسطین قرآن وحدیث کی روشنی میں" کے عنوان سے پیش کیا، جس میں انہوں نے قرآنی آیات واحادیث نبویہ کے اندر فلسطین، ارض مقدس کی تاریخی حیثیت، مسجد اقصیٰ کی اہمیت پر مفصل گفتگو کی، اور کہا کہ بیت المقدس مسلمانوں کے ہاں ایک مذہبی حیثیت رکھتا ہے، اس کی حفاظت مسلمانو کی دینی ذمہ داری ہے۔

مولانا شیخ ابرار ندوی نے "یہودیوں کے بارے میں قرآن وحدیث کی تصریحات" کے موضوع پر محاضرہ دیا، مولانا نے بڑی وضاحت وصراحت کیساتھ قرآنی شواہد پیش کئے، اور کہا کہ قرآن خدا کی سب سے سچی اور مقدس کتاب ہے، قرآن نے جس قدر یہودیوں کا ذکر کیا ہے دوسری قوموں کا نہیں کیا ہے، جس میں یہودیوں کی مکاریوں کو خوب خوب اجاگر کیا گیا ہے۔

ان دو مقالوں کے بعد "مملکت اسرائیل کیسے قائم ہوئی؟" کے اہم موضوع پر مولانا سلمان نسیم ندوی نے بیش قیمت اور معلومات افزا مقالہ پڑھا، جس میں فلسطین کی تاریخی حیثیت، اس کے مختلف نشیب وفراز اور عروج وزوال بیان کرنے کے بعد مملکت اسرائیل کے قیام کے اصل محرکات، اور ارض فلسطین کے انتخاب پر بھرپور روشنی ڈالی گئی، مقالہ میں مسلمانوں کو اس کی ذمہ داری بھی یاد دلائی گئی، اور کہا گیا کہ آخر ایک روز فتح مسلمانوں ہی کی ہوگی اور دشمنان اسلام منہ کی کھا کر رہیں گے۔

مولانا فرمان نیپالی ندوی نے ''صیہونیت کیا ہے؟'' کے عنوان پر مقالہ پیش کیا مولانا نے صیہونیت کے لغوی واصطلاحی معنی اس کی تاریخ واہداف پر روشنی ڈالی، اور کہا کہ صیہونیت چاہے جس قدر بظاہر ہاتھ پیر پھیلالے اور اپنی دل کی بھڑاس مسلمانوں کو زک پہونچا کر نکال لے، اس کی شکست یقینی ہے۔

ان کے بعد مولانا شمیم احمد ندوی نے ''فلسطین میں سرگرم عمل یہودی تنظیمیں'' کے موضوع پر محاضرہ دیا، مولانا نے بالتفصیل تمام تنظیموں کا مختصر تعارف کرایا اور ان کے مقاصد واہداف بیان کئے، اور صاف کہا کہ یہ تنظیمیں بڑی سوجھ بوجھ، اور دور بینی کے ساتھ اپنا لائحہ عمل طے کرتے ہیں مگر مسلمان جو انبیاء کرام کا امین ووارث ہے، جس کو عالم انسانی کی قیادت کرنا ہے، اور اسلام کو زندہ رہنا ہے، وہ غفلت میں پڑے غور وفکر سے عاری رہتے ہیں۔

اخیر میں دارالعلوم کے استاد اور کہنہ مشق صحافی جناب امین الدین شجاع الدین صاحب نے ''مسئلہ فلسطین اور امت مسلمہ'' پر اثر انگیز خطاب کیا، مولانا نے بڑے معلوماتی اور شگفتہ اسلوب میں مسلمانوں کو ان کا سبق یاد دلایا، اور کہا کہ آج امت مسلمہ دوراہے پر کھڑی ہے، امت کے حساس، ذہین وفہیم طبقہ پر ضروری ہے کہ وہ اس کی قیادت کرے، اور راہ راست پر لائے، فلسطین تمام مسلمانوں کا مسئلہ ہے، وہ صرف فلسطینیوں کا مسئلہ نہیں ہے، اس کی بازیابی کی کوشش، جس قدر ممکن ہو ہر مسلمان پر لازم ہے، ورنہ اس کو رب ذوالجلال کے سامنے جواب دینا ہوگا۔

پروگرام کے دوران دارالعلوم میں فضیلت دوم کے طالب علم سید احمد سالک برادر بھٹکلی نے دوبار ولولہ انگیز نظمیں پیش کیں، اور مسلمانوں کو ان کا تابناک ماضی یاد دلایا۔

صدارتی خطاب سے قبل قاری محمد علی ندوی نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا اور ظاہری وسائل کیساتھ روحانی وباطنی وسائل پر عمل پیرا ہونے کے لیے زور دیا۔

صدر محترم جناب مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے بڑا جامع وچشم کشا اور ولولہ انگیز خطاب دیا، مولانا نے امت مسلمہ کو فلسطین کا مقام یاد دلایا، ارض مقدس کی تاریخ بتائی، اور دشمنوں کی سازشوں کو خوب واشگاف کیا، مولانا نے اس پر زور دیا کہ اس موضوع سے ہر فرد مسلم کو دلچسپی ولگاؤ ہونا چاہئے، مدارس اور کالجز کے طلبہ کو خاص طور پر اس تاریخ کے اسباق ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے چاہئیں، کہ انہیں ان کی روشنی میں مستقبل کا خاکہ پوری بصیرت اور حکمت سے تیار کرنا ہے، عام لوگ اگر غفلت میں پڑے ہیں اور وہ کچھ اس موضوع پر نہیں سوچ رہے ہیں تو کیا طالبان علوم نبوت کے لیے اس کا جواز کہاں سے نکل آیا کہ وہ صبح وشام اس کا تذکرہ پڑھتے اور زبانوں پر لاتے ہیں کہ کتنی عورتیں راہ خدا میں بیوہ ہوگئیں، بوڑھے، بچے، نوجوان سب مولی گاجر کی طرح بوٹی بوٹی کئے جارہے ہیں، بم برسائے جارہے ہیں، ان کے گھروں کو تہس نہس کیا جارہا ہے، اور آپ کے کانوں پر جوں تک نہ رینگے، یہ حرکت خدا کے غضب کو دعوت دینے والی ہے، ہمیں اس سے ڈرنا چاہئے۔

مولانا ہی کی دعا پر یہ جلسہ اختتام پذیر ہوا، پروگرام میں اساتذہ وطلبہ دارالعلوم نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، نظامت علیا ثانیہ شریعہ کے طالب علم عبدالودود ندوی نے کی۔

☆☆☆☆☆

دعائے مغفرت

۲رمئی ۲۰۰۷ء کو لکھنؤ میں رائے بریلی کے جناب محمد اختر خاں صاحب ایڈوکیٹ مختصر علالت کے بعد انتقال کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف صحیح اسلامی عقیدہ پر شروع سے سختی سے کاربند رہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے محبت وعقیدت اور بیعت کا تعلق تھا۔ بعد میں حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب کی خدمت میں آنے کا معمول برقرار رکھا، مولانا محمد ثانی حسنی سوسائٹی رائے بریلی کے نائب صدر تھے، ان کی عمر ۶۹ سال تھی، اللہ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو جن میں ۴ بھائی، اہلیہ اور دو بیٹے ہیں صبر جمیل عطا فرمائے۔

ادھر متعدد اہل تعلق کی وفات کی خبریں موصول ہوئیں جن میں ایک نام حافظ عظیم اللہ صاحب رائے بریلوی کا بھی ہے، رائے بریلی کے مدارس دینیہ کی تاسیس میں ان کا اہم کردار رہا، گاؤں گاؤں مدرسہ اور مکتب قائم کرنا ان کی زندگی کا مشن رہا۔

بسواں سیتاپور کے جناب رشید کوثر فاروقی صاحب بھی رحلت فرما گئے، قادر الکلام اور اسلامی حمیت رکھنے والے شاعر تھے۔

مولانا محمد کلیم صدیقی پھلتی ناظم جامعہ شاہ ولی اللہ پھلت مظفر نگر جو کہ مشہور داعی اور مبلغ دین ہیں کی والدہ جو صرف خاندان ہی کی نہیں پورے پھلت کی امی جان تھیں وفات پاگئیں۔ اتفاق سے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم اس وقت دہلی میں تھے، وہیں سے پھلت تشریف لے گئے اور نماز جنازہ پڑھائی۔

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کی نواسی اور مولانا نعیم الرحمٰن صدیقی ندوی کی پھوپھی کا گذشتہ دنوں انتقال ہوگیا، مرحومہ نیک صفات اور پابند صوم وصلوٰۃ تھیں۔

ادارہ تعمیر حیات ان سب کی تعزیت کرتا ہے اور قارئین سے دعائے مغفرت کی امید رکھتا ہے۔

Kamaluddin
& Sons Perfumers
Specialist In
Indian Attar Like Shamama, Rhuhkhus, Hina etc.
عطر کی مشہور قدیم دوکان
روغنیات، عرقیات، کولر پرفیوم، روح گلاب، روح کیوڑہ، عرق گلاب، اگربتی
ایک مرتبہ تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں
کمال الدین اینڈ سنس پرفیومرس
Akbari Gate, Lucknow-226003
Phone : 0522-2267501

MEENA
QUALITY CAKE
مینا بیکری
MEENA BAKERY
Specialist In:
Bread, Bunds, Cakes, Biscuits,
Pasteries, Rusk, Birthday Cakes,
Paties, Rolls etc.
337 Phool Bagh, Luucknow-226001
Ph.: 2629448

مولانا برکت اللہ بھوپالی ایجوکیشن اینڈ سوشل سروس سوسائٹی (رجسٹرڈ) کے زیر اہتمام جنگ آزادی کے عظیم مجاہد، حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور پہلی جلاوطن حکومت کے وزیر اعظم
پروفیسر مولانا برکت اللہ بھوپالی
کی یاد میں قائم دینی وعصری تعلیم کے اہم مراکز
برکت اللہ پبلک ہائر سیکنڈری اسکول
گاندھی نگر، مدھیہ پردیش، انڈیا اور
برکت اللہ گرلز ہائر سیکنڈری اسکول
سلطانیہ روڈ، ٹیلی فون ایکسچینج کے سامنے، بھوپال، ایم پی، انڈیا
''کلیۃ برکت اللہ'' کی تعمیر الحمدللہ نرسنگھ گڑھ روڈ پر جاری ہے، جس میں بورڈنگ کا اعلیٰ سطحی انتظام ہوگا۔
مذکورہ اداروں میں عصری تعلیم کیساتھ دینی تعلیم کا بھی معقول انتظام ہے۔ غریب اور نادار مفلس طلبہ کو مفت تعلیم دی جاتی ہے
منجانب: حاجی محمد ہارون ایڈوکیٹ، بانی وناظم اعلیٰ
فون: 0091-755-2543466, 2642715

شوگر کے مرض سے دائمی نجات کے لئے ایک مؤثر یونانی دوا
رجسٹرڈ نمبر 17476
شوگر آف
چار ماہ مسلسل استعمال سے شوگر کے مرض سے مکمل چھٹکارا۔
اسٹاکسٹ: اودھ اسٹور، امین آباد لکھنؤ
فون: 0522-2614054
تیار کردہ: آرام فارمیسی، لکھنؤ
فون: 2248567، موبائل: 9415500247
9936510837

Mobile: 9415090544 Shop: 2627446 Res: 2254796
پروپرائٹر: ولی اللہ
WALIULLAH JEWELLERS
All Kinds of Gold, Silver & Diamond Jewellery
ولی اللہ جویلرس
Jutey wali Gali, Aminabad, Lucknow

Quba Awning
Awning & DEMOTENT
Demotent
Scooter India Crossing
Gauri Bazar Kanpur Road
Lucknow
Ph: 0522-2817580
M: 09335236026, 09839095795
Branch Office
Maidan Pur Takiya Kalan Raibrelly
Ph: 9336324071

ممبئی کے قارئین کی خدمت میں
ممبئی کے قارئین ''تعمیر حیات'' سے گزارش ہے کہ ''تعمیر حیات'' کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔
ALAUDDIN TEA
44, Haji Building S. V. Patel Road
Null Bazar, Mumbai-400003
Tele: Add Cupkettle
Ph: 23460220-23468708

Maqbool Mian Jewellers
مقبول میاں جویلرس
Jutey Wali Gali, Aminabad Lucknow.
Mob: 9415001207-9335726377

CAFE FIRDOS
کیفے فردوس
Partly Air Conditioned
MOGHALAI & CHINESE FOOD
Tel : 23424781-23459921
145, Sarang Street,Crawford Market, Mumbai-400003

ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز
اعلیٰ کوالٹی، جدید ترین فیشن کے ساتھ
Shirts, Trousers, Coats, Embroidered Sherwanis, Pullowers, Jackets, Kurta-Suits, Night Suits, Gown & Ties.
شادی بیاہ، تیوہار اور تقریبات کے لئے شاندار ذخیرہ، تشریف لائیں
men mark ®
58, Halwasia Market, Hazrat Ganj, Lucknow
Phone: (S) 2616946 (R) 2627443

Mobile: 9415750289 Shop: 0522-2617956
حرمین برنڈرس
محمدیہ پروڈکٹس کے سپر اسٹاکسٹ
النبیل یو اے ای۔ کلونجی تیل اور کلونجی پروڈکٹس کے اسپشلسٹ
کھوجاتی سرمہ
روغن بلسن
عطریات
حرمین بک ڈپو
پرفیومس النبیل دوبئی
شہر لکھنؤ U.A.E. کے مختلف عطریات سے معطر
دکان نمبر 1/6 مسجد مرکز، ڈاکٹر بی-این-ورما روڈ، امین آباد، لکھنؤ

Abdullah Malik (Managing Director)
Ph: 0522-2266824, 2252789, (O) 2240999
S. Abdul Malik & Sons
Our World Famous Perfumes Exporters, Importers & Manufacturing Perfumesetc
Shamamatul Amber , Keora, Gulab, Ruh Khus, Ruh Gulab, Mohsin Shamama, Malik Shamama
253/28, Nadan Mahal Road, Nakkhas , Lucknow, U. P. (India)

Nadwatul Ulama
P.O. Box No. 93, Tagore Marg,
Lucknow - 226007 (India)

ندوۃ العلماء
ص.ب. ۹۳ ٹیگور مارگ
لکھنؤ ۲۲۶۰۰۸ (الہند)

Date _____ التاریخ _____

اہل خیر حضرات سے اپیل

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ ناظم ندوۃ العلماء کی سرپرستی میں اپنی علمی و دینی خدمت میں مصروف ہے۔ طالبان علوم دین کی کثرت کی وجہ سے دارالعلوم میں درجات کی بڑی کمی واقع ہوگئی ہے، جس کی وجہ سے سال گذشتہ داخلے محدود کرنے پڑے، اور جدید طلباء کی ایک بڑی تعداد مایوس ہوکر واپس ہوگئی۔ اس صورت حال کو دیکھ کر مجلس انتظامیہ ندوۃ العلماء نے جدید درسگاہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا، اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسہ پر یہ تعمیر شروع کرادی گئی ہے۔

اس جدید درسگاہ میں جو تین منزلہ ہوگی پندرہ درجات ہوں گے۔ ہر درجہ ۳۴×۲۵ فٹ کا ہوگا۔ اور اس کے سامنے برآمدہ ہوگا تاکہ طلباء کو تنگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اس تعمیر پر ۷۶ لاکھ روپئے کے خرچ کا تخمینہ ہے، جو انشاء اللہ اہل خیر حضرات کے تعاون سے پورا ہوگا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اس اہم ضرورت کی طرف فوری توجہ فرمائیں گے، اور ندوۃ العلماء کے کارکنوں کا ہاتھ بٹائیں گے تاکہ طلباءِ علمِ دین دلجمعی کے ساتھ تعلیم حاصل کرسکیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے کہ اس کی مدد سے یہ اہم کام تکمیل کو پہونچے گا۔

وما ذلك على الله بعزيز

(مولانا) واضح رشید ندوی	پروفیسر وصی احمد صدیقی	(مولانا) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) مفتی محمد ظہور ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر شعبۂ تعمیر و ترقی ندوۃ العلماء

نوٹ: چیک یا ڈرافٹ پر صرف یہ لکھئے: Nadwatul Ulama

Phone : (91-522) 2741316, 2740151 Fax : 2741231, 2741221
e-mail Address : nadwa@sancharnet.in / website: www.nadwatululama.org